باب نہم

جہاں ملتے ہیں تین چاند!

اس نے خواب میں دیکھا.....

گہری سیاہ رات ہے.....

آسمان پہ پورا چاند چمک رہا ہے.....

اور وہ ٹھنڈی ریت پہ ننگے پیر چل رہی ہے....

ننھی ننھی چیزیں پیروں میں چبھ رہی ہیں....

مگر وہ چبھن سے بے پرواہ قدم اٹھا رہی ہے....

چغے کی ٹوپی نے اس کا سر ڈھانپ رکھا ہے....

مگر ہوا کے باعث وہ پشت سے پھڑ پھڑا رہا ہے....

دفعتاً ایک مقام پہ وہ ٹھہرتی ہے.....

سامنے آسمان پہ مکھن کی ٹکیا جیسا چاند چمک رہا ہے....

وہ نظریں دائیں طرف موڑتی ہے.....

وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کی چوٹی خوب روشن ہے....

جیسے شیشے کی بنی ہو....

اس چوٹی کے چمکتے شیشے میں ایک دوسرا چاند نظر آرہا ہے.....

وہ ایک دم گھومتی ہے....

ہوا سے چغے کی ٹوپی پیچھے کو ڈھلک جاتی ہے.....

سنہری بال پیچھے کو اڑنے لگتے ہیں۔

اور اس کی سیاہ آنکھیں سامنے جم جاتی ہیں.....

وہاں سیاہ زمین ہے.... بالکل سیاہ کانچ جیسی....

اور ایک چانداس زمین پہ چمک رہا ہے....

"جہاں ملتے ہیں تین چاند۔"

وہ چونک کے بڑبڑاتی ہے....

پھراس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے ہیں...

"یہاں.... ہاں' یہاں ملتے ہیں تین چاند!۔"

☆......☆......☆

تالیہ کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔

چند لمحے وہ چت پڑی رہی۔ پھرایک طرف ہاتھ مارا تا کہ ٹیبل لیمپ جلائے.... یا ریموٹ اٹھا کے ٹی وی آن کرے .... یا موبائل اٹھا کے وقت دیکھے.....مگر.... پلنگ کے ساتھ تپائی پہ ایسا کچھ نہ رکھا تھا۔نہ موبائل' نہ ریموٹ۔

ذہن کو بیدار ہونے میں چند لمحے لگے اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ کوالالمپور میں نہیں تھی۔

وہ قدیم ملاکہ میں تھی۔

وہ سست روی سے اٹھی اور دیا سلائی سلگا کے چند موم بتیاں روشن کیں۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

یہ آدھی رات کا وقت تھا اور سارا محل خاموش پڑا تھا۔تالیہ نے کھڑکی کے پردے ہٹا کے جھانکا تو آسمان پہ باریک کمان سا چاند جگمگا رہا تھا۔

"جہاں تین چاند ملتے ہیں۔" چاند کو تکتے ہوئے بےخودی سے دہرایا۔"کیسی عجیب سی جگہ تھی وہ...."

پھر چونک کے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔انگلی میں سرخ یاقوت اور ہیروں والی آنسو شکل انگوٹھی ہنوز موجود تھی۔کیسا عجیب سا آنسو تھا وہ۔

دل کے رنگ جیسا۔

خون کے رنگ جیسا۔

ایک دم جیسے کوئی یاد آیا۔

اس نے میز سے گھڑی اٹھائی اور وقت دیکھا۔ یہ کانچ کی بنی قدیم گھڑی تھی جس کے دو خانے تھے۔اوپر والے میں ریت بھری تھی اور سوراخ سے ذرہ ذرہ کر کے ریت نچلے خانے میں گر رہی تھی۔آہستہ آہستہ۔اس نے ریت کی مقدار سے اندازہ لگایا کہ ابھی رات کے بارہ یا ایک بجے تھے۔وہ مسکرائی اور گھڑی رکھ دی۔

اسے کسی سے ملنے جانا تھا۔

☆......☆......☆

ابوالخیر کی حویلی اس وقت اندھیرے میں ڈوبی تھی۔ اوپر تیر کمان جیسا چاند جگمگا رہا تھا۔ چند پہریدار جمائیاں لیتے پھاٹک اور چاردیواری کے گرد پہرہ دے رہے تھے۔ مگر باورچی خانے کی چمنی کے ساتھ مخروطی چھت پہ بیٹھی تالیہ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھی۔

وہ سیاہ پاجامے قمیص میں ملبوس' بالوں کو سیاہ کپڑے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ دور سے وہ کوئی نوجوان لڑکا نظر آتی تھی جو اکڑوں بیٹھا' اداسی سے گھٹنوں پہ سر رکھے ہوئے تھا۔ ہاں ہاتھ میں دمکتی سرخ آنسو والی انگوٹھی اس کی نسوانیت کا پتہ دیتی تھی۔ اوپر چڑھتے فاتح کی پہلی نظر اس انگوٹھی پہ پڑی تھی۔ دوسری اس کے تاریکی میں ڈوبے چہرے پہ۔ رسی پرے پھینکتا وہ اس کے قریب آ کے بیٹھا۔

''تو کیا فیصلہ کیا تم نے؟''

تالیہ نے سر اٹھا کے اسے سادگی سے دیکھا۔

''مجھے راجہ کے کمرے کی تلاشی لینے کا موقع ابھی تک نہیں مل سکا۔ چابی کہاں ہے' میں نہیں جانتی' لیکن جیسے ہی وہ ہمیں ملی' ہم واپس.....''

''میں وزیرِ خزانہ کی تعیناتی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔'' وہ کھنکھار کے بولا تو وہ چپ ہوئی۔ ''اوہ!''

''سن باؤ وانگ لی.... یا.... ابوالخیر.... تم نے کس کو چنا؟''

''کس کو چننا چاہیے تھا؟''

''ظاہر ہے وانگ لی کو۔ اس میں وہ دونوں خوبیاں ہیں جو ہمیں کسی کو جاب دیتے وقت امیدوار میں تلاشنی چاہئیں۔ اس جاب کو کرنے کی قابلیت اور امانت داری۔'' اس کا ذکر کرتے ہوئے فاتح کی آواز میں نرمی گھل گئی۔ ''جبکہ ابوالخیر ایک بدنیت اور نااہل آدمی ہے۔''

وہ چند لمحے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ ''میں نے ابوالخیر کا نام تجویز کیا ہے اور سلطان نے تائید کرتے ہوئے فیصلے پہ مہر لگا دی ہے۔''

حویلی کی چھت پہ سناٹا چھا گیا۔ فاتح چند لمحے تو کچھ کہہ نہیں سکا۔ پھر اس کے ابرو بھنچ گئے۔

''تم نے ابوالخیر کی طرفداری کیوں کی؟''

''کیونکہ مجھے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے لئے مضبوط حلیفوں کی ضرورت ہے۔ اور مجھے مراد راجہ کو بھی خود سے خفا نہیں کرنا۔''

''تو تم نے یہ اپنے لئے کیا؟ ملاکہ کے لوگوں کے لئے نہیں؟''

تالیہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور سادگی سے اسے دیکھا۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے' تو انکو؟''

''میں ملاکہ کے لوگوں کو وانگ لی جیسے ایماندار اور قابل آدمی کا تحفہ دیتا۔''

''وہ غیر ملکی ہے۔ بھلے اس کی ہمارے سلاطین اور رئیسوں سے گہری دوستی ہی کیوں نہ ہو، وہ ہمیشہ یہاں ایک اجنبی آدمی ہی رہے گا۔ بالفرض میں اس کا چناؤ کر بھی دیتی تو صبح ہونے سے پہلے ابوالخیر یا راجہ مرادا سے مروا دیتا۔ مقابلہ ختم ہو جاتا اور ہمیں ابوالخیر کو ہی وزیر بنوانا پڑتا۔ (فاتح سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا) یہ آپ کی ڈیموکریسی نہیں ہے تو انکو... جہاں اتنی آسانی سے قتل نہیں ہو سکتے۔ یہ بادشاہت ہے۔ یہاں کوئی کسی کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ یہاں عدالتیں حکمرانوں کے تابع ہوتی ہیں۔ میں ایک چینی کو ملاکہ کا وزیرِ خزانہ بنوا بھی دیتی تو لوگ اسے تسلیم نہ کرتے اور اگر وہ مر جاتا تو اس کے لئے کوئی نہ روتا۔ میں نے اس کی جان اور اپنے ملک کا امن بچایا ہے۔ یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا۔ اگر سیاست یہ نہیں ہوتی تو میں نہیں جانتی کہ سیاست کیا ہوتی ہے۔''

''وانگ لی اس ملک کے لئے بہت کچھ کر سکتا تھا۔'' وہ تلخی سے سامنے دیکھتے ہوئے بولا۔

''بنگارا ملایو میں کیا لکھا ہے؟ کیا وانگ لی کو تاشہ نے وزیر بنایا تھا؟''

فاتح نے گہری سانس لی۔ ''اس میں اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں درج نہیں تھیں۔ لیکن مجھے لگا تھا کہ شاید وہ عظیم کارنامے جو وانگ لی نے سرانجام دیے تھے وہ وزیر بن کے کیے ہوں اور مورخ ان کو لکھنا بھول گیا ہو۔''

''مورخ!'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ ''جانتے ہیں شاہی مورخ کون ہے؟''

''جانتا ہوں۔'' اسے اس وقت مورخ کے ذکر میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خفا نگاہیں سامنے پھیلی تھیں جہاں اندھیرے میں ڈوبا قدیم ملاکہ پھیلا تھا۔ دو چار گھروں میں مشعلیں جلتی نظر آ رہی تھیں۔ یوں لگتا جیسے سیاہ چادر کے سارے سنہری تارے ٹوٹ گئے ہوں اور صرف ایک آدھ تارہ اٹکا ہوا جگمگا رہا ہو۔

''ابوالخیر اور راجہ کی بلیک میلنگ سے ہار ماننے کی بجائے یہ عہدہ وانگ لی کو دے کر اس کی حفاظت کا بندوبست بھی کیا جا سکتا تھا۔''

''آپ کی وانگ لی سے کتنی بات چیت ہوئی؟''

''بات چیت؟'' فاتح کی آواز آہستہ ہوئی۔ نظریں دور پھیلے ملاکہ پہ جمی تھیں۔ ''میں باورچی خانے میں تھا جب اس کے آنے کی اطلاع ملی۔ اس کے نام نے مجھے چونکایا تھا۔ میں طشت لے کر اندر گیا اور اس کے سامنے شوربہ رکھا۔ اس نے مجھے صرف ایک نظر دیکھا۔ میرے اوپر دوسری نظر اس نے رات کھانے پہ ڈالی جب تم بھی وہاں موجود تھیں اور امورِ سلطنت پہ گفتگو کی جا رہی تھی۔ تمہارے جانے کے بعد ابوالخیر نے اسے زہر ملا شوربہ میرے ہاتھوں پلوانا چاہا مگر میں نے اسے خبردار کر دیا۔ پھر جب وہ اپنی سواری پہ چڑھ رہا تھا تو میں باورچی خانے کی چوکھٹ پہ کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔ میری اس سے اتنی ہی ملاقات ہوئی بس۔''

تالیہ ایک دم ہنس پڑی۔ فاتح نے قدرے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھ لبوں پہ رکھے ہنستی جا رہی تھی۔

''اتنا مزاحیہ کیا تھا اس میں؟''

تالیہ نے بدقت مسکراہٹ روکے منہ سے ہاتھ ہٹائے۔

''آپ فین مومنٹ میں ہیں۔''

''کیا؟'' اس نے ناگواری سے ابرو اٹھائی۔

''ایک زمانے میں میں' تالیہ مراد' کسی کے گھر کام کرتی تھی۔'' ہتھیلی گال تلے جمائے مزے سے بتانے لگی۔ ''ایک روز کچن میں میں نے ساتھی ملازماؤں سے پوچھا کہ اتنا اہتمام کس کے لئے کیا جا رہا ہے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ ملک کا اگلا وزیرِ اعظم مدعو ہے۔ (فاتح ہلکا سا مسکرایا۔ اب وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔) اور پھر میں نے اس سیاستدان کو جوس پیش کیا۔ میں بھی اعلیٰ ایوانوں کی گفتگو کے دوران دروازے سے باہر کھڑی سنتی رہی تھی' اور میں نے بھی کچن کی کھڑکی سے ان دونوں میاں بیوی کو اپنی سواری میں سوار ہوتے دیکھا تھا مگر مجھے اس سیاستدان نے ایک دفعہ بھی نظر اٹھا کے نہیں دیکھا۔ بلکہ جب میں نے ان ہی کے گھر' ان ہی کی ڈائننگ ٹیبل پہ ان کو گھائل غزال کے جعلی ہونے کی سازش سے مطلع کرنا چاہا تو مجھے لگا وہ میرا یقین نہیں کریں گے۔ اچھی بات ہے کہ آپ نے سچ بولنے کی ہمت کی اور سن باؤ کو مطلع کر دیا۔ میں نہیں کر سکی تھی۔ مگر شاید اس لئے کہ میں ان کے سامنے ہمیشہ فین مومنٹ میں ہوتی تھی۔ تالیہ دی فین گرل۔''

آخر میں وہ دوبارہ ہنسی مگر اب کی بار وہ ہنسی تلخ تھی۔ استہزائیہ۔ اپنا مذاق اڑاتی ہوئی۔

''میں اس کا فین نہیں ہوں۔ میں....'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ تالیہ چند لمحے فقرہ مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی۔ مگر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ ایک اشارہ تھا کہ وقت کے اس قیدی سے ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

عموماً ملاقات کے ختم ہونے کا احساس ڈائری اٹھائے اس کا سیکرٹری دلایا کرتا تھا اور پھر اگلی میٹنگ کے بارے میں مطلع کرتا تھا۔ تالیہ نے یونہی ادھر ادھر دیکھا۔ آج اس کا کوئی سیکرٹری' کوئی باڈی مین اس کے وقت کا حساب رکھے ہوئے ارد گرد منڈلا نہیں رہا تھا۔ وان فاتح ان کی زندگیوں سے نکل چکا تھا اور چند دن پولیس نے اسے تلاش کرنے کے بعد کیس فائلز کے ڈھیر میں بھلا بھی دیا ہوگا۔ اس کے سیکرٹری نے اگلی جاب بھی شروع کر دی ہوگی۔ سب آگے بڑھ چکے ہوں گے۔ صرف وہی پیچھے رہ گئے تھے۔ قید۔

وان فاتح اب رسی سے نیچے اتر رہا تھا اور بالوں کو رومال میں لپیٹے بیٹھی تالیہ یاسیت سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

جنگل کے ان سارے دنوں کے بعد آج وہ عرصے بعد دوبارہ سے فین مومنٹ میں گھری تھی۔ مگر کیا وہ اب تک فاتح بن رامزل کی فین تھی؟ یا الوژن ٹوٹ چکا تھا؟

مگر پھر.... الوژن کے پار.... کیا نظر آیا تھا اسے؟

☆......☆......☆

اس صبح بنداہارا کے محل سے سورج کی کرنیں ٹکرا رہی تھیں۔ دربار کی کھڑکیوں سے چھن کے آتی روشنی دربار کو منور کیے ہوئے تھی۔ اونچے تخت پہ شہزادی تاشہ ریشمی لباس کو پھول کی طرح پھیلائے بیٹھی تھی۔ سر پہ ہیروں کا تاج سجا تھا اور ہاتھ میں چاندی کا آئینہ تھامے وہ آنکھوں کا سنگھار دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً دروازے کھلے اور منادی کرنے والے نے صدا لگائی۔ ''قیدی' آدم' حاضر ہو۔''

ایڈم اندر داخل ہوا تو پیچھے دروازے بند کر دیے گئے۔ وہ دربار کی چوکھٹ پہ تنہا کھڑا تھا۔ کوئی کنیز' کوئی غلام موجود نہ تھا اور تخت پہ بیٹھی شہزادی آئینہ دیکھنے میں مصروف تھی۔

ایڈم نے اطراف پہ نظر دوڑائی۔ عالیشان وسیع وعریض دربار.... چھت پہ بنے نقش ونگار .... کھڑکیوں پہ گرے مخملیں پردے .... ہر شے رعب طاری کر دینے والی تھی۔ مگر ایڈم نے دل چھوٹا نہ کیا۔ آج عرصے بعد اسے صاف لباس دیا گیا تھا' جس میں کلف بھی لگا تھا۔ پاجامہ اور چھوٹا کرتا۔ ہم رنگ جوتے۔ وہ اعتماد سے قدم اٹھاتا تخت کے سامنے آیا اور سر جھکا کے سلام کیا۔

''شہزادی!'' سر اٹھا کے تالیہ کے چہرے کو براہِ راست دیکھا۔

''میں جانتا ہوں آپ شرمندہ ہیں' مجھے اتنے دن جیل میں رکھنے اور تیسرے درجے کا کھانا دینے کے لئے۔ مگر آپ بے فکر رہیں' میں نے آپ کو معاف کیا کیونکہ آپ نے مجھے دنیا کی بہترین کتابوں سے روشناس بھی تو کروایا ہے۔'' بڑی سخاوت سے انگریزی میں بولا۔

تالیہ نے ناک سکوڑی' آئینہ پرے رکھا اور تندہی سے اسے گھورا۔

''گرفتاری کے وقت یہ تھیلا تمہارے پاس سے ملا تھا۔'' سرخ انگوٹھی والی انگلی سے شہزادی نے اشارہ کیا تو ایڈم نے دیکھا' درباریوں کی خالی کرسیوں میں پہلی کرسی کے سامنے میز تھی جس پہ ایک تھیلا رکھا تھا۔ ساتھ موم بتی' کاغذ' قلم' سیاہی وغیرہ ترتیب سے رکھے تھے۔ ایڈم نے تھیلا اٹھا کے دیکھا۔

''جی یہ میرا ہی ہے۔'' اس نے اندر سے کاغذ نکال کے دیکھے۔ پھر قدرے حیران ہوا۔ ''ایک منٹ۔ پہلے صفحے' بنگارایا ملایو' اور نیچے مصنف کا نام بھی لکھا تھا۔ ابوبکر سم تھنگ.... وہ صفحہ کہاں گیا؟''

''وہ صفحہ میں نے پھاڑ کے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔''

''مگر وہ کیوں؟''

شہزادی نے ایک شانِ بے نیازی سے سنہری لٹ پیچھے کی۔

''اگر میں وہ رہنے دیتی تو قید خانے کا داروغہ جان لیتا کہ یہ دستہ تمہارا نہیں' کسی ابوبکر کا ہے۔ تم پہ چوری ثابت ہو جاتی اور مجبوراً قانون کے مطابق اسے تمہارا ہاتھ کاٹنا پڑتا۔''

ایڈم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ”ہیں؟“

”نہیں خیر ہے، اگر تمہیں اپنا ہاتھ پیارا نہیں تو کھل کے بتا دو۔ میں ابھی کٹوائے دیتی ہوں۔“

”ارے واہ.... کیسے کٹوائے دیتی ہیں؟“ وہ چمک کے بولا۔ ”پہلے بتائیے، مجھے چوری کرنا سکھائی کس نے تھی؟“

”جس نے سکھائی تھی، اس نے اپنے سکھانے کا ثبوت تو چھوڑا نہیں ہوگا۔ ہے نا۔“ ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے پلکیں جھپکا کے اسے دیکھا۔

ایڈم لمحے بھر کو چپ ہوا۔ پھر نظریں اس کاغذ پہ جھکائیں۔

”خیر... فی الحال اس کتاب پہ کسی دوسرے کا نام نہیں لکھا۔ یعنی یہ تھیلا میرا ہی ہے۔“ گھور سے تالیہ کو دیکھا۔ وہ اونچے تخت پہ بیٹھی تھی اور ایڈم نیچے کھڑا تھا۔

”یہ ہوئی نا بات۔ اب تم محفوظ ہو۔ ویسے وہ کون تھا جس کی یہ کتاب تھی۔“ وہ مسکرا کے دوستانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

”ہونہہ۔ تھا کوئی کنگال رائٹر۔ بلکہ رائٹرز تو پھر بہتر ہوتے ہیں، وہ تو بے چارہ کوئی مورخ تھا۔“ ایڈم نے خوب ناک چڑا کے سر جھٹکا۔ تالیہ نے مزید دلچسپی سے اسے دیکھا۔

”اور مورخین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”مورخین؟ ہا!“ اس نے بدمزگی سے سر جھٹکا۔ ”میرے نزدیک مورخین انتہائی دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔“

”اچھا؟ دو نمبر؟“ تالیہ نے دوبار پلکیں جھپکائیں۔

”اور نہیں تو کیا۔ آپ کے خیال میں کیا یہ سچ لکھتے ہیں؟ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں، اس میں زیادہ تر مبالغہ آرائی ہوتی ہے جو مورخین اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔ تقریباً سارے بادشاہ طاقت کی ہوس میں مبتلا ظالم لوگ ہوتے تھے۔ سوائے دو چار کے، انسانی تاریخ کرپٹ حکمرانوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر تاریخ کی کتابیں پڑھو تو بادشاہ رحم دلی اور عظمت کا پیکر لگتے ہیں۔ خوشامدی درباری مورخین کے کارنامے۔ ہونہہ۔“

”ہوں۔ کتنے نیک خیال ہیں تمہارے۔ اور بنگا رایا ملایو کے مورخ کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟“ وہ مسکرا مسکرا کے دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

”بنگا رایا ملایو میں نے پڑھی تو نہیں ہے، مگر اس کا رائٹر.... اس کا کنگال رائٹر دیکھا تھا اس دن میں نے سرائے میں۔“ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔ ”ابھی اس نے کتاب کا پہلا صفحہ بھی نہیں لکھا۔ یعنی یہ کتاب ابھی اس نے لکھنی ہے۔ ہوں۔ یعنی اب وہ آپ کے پاس آئے گا اور آپ کی خوشامد کرے گا۔ جواب میں آپ اس کو مالا مال کر دیں گی کیونکہ میں نے سنا ہے بنگا رایا ملایو میں شہزادی تاشہ کی وہ وہ خوبیاں بیان کی گئی ہیں جن کا آپ میں ہونا مشکوک ہے۔ اور ایسا صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ نے ایک لالچی، مفاد پرست

اور جھوٹے آدمی کو شاہی مورخ کا عہدہ دینا ہے۔“

اپنی طرف سے مسکرا کے وہ تاک تاک کے نشانے لگا رہا تھا۔ مگر تالیہ دلچسپی سے سنے جا رہی تھی۔

”چچ چچ.....کتنا کوئی جھوٹا اور نیچ آدمی ہوگا ہمارا اگلا شاہی مورخ۔“

”ہونہہ۔ شہزادی کی خوشنودی کے لیے ایمان بیچ دینے والا مورخ۔ اور وہ کنگال رائٹر ابوبکر.....وہ.....ایک منٹ.....جو بنگارایا ملایو ہمیں پڑھائی جاتی تھی اس کے مصنف کا نام ابوبکر نہیں تھا۔ اس کا نام آدم بن محمد تھا مگر خیر.....ہوگا وہ بھی جھوٹا اور.....“

ایڈم کو بولتے بولتے ایک دم چپ لگی۔ جیسے کسی نے سر پہ کچھ دے مارا ہو۔

ایک دم وہ آگے بڑھا اور جس میز پہ اس کا تھیلا پڑا تھا وہاں رکھی تختی اپنی طرف موڑی تا کہ اس پہ کندہ نام سامنے آ سکے۔ وہ کرسی شاہی مورخ کی تھی، اور بھلا کون سا نام لکھا تھا اس پہ؟

”آدم بن محمد۔ شاہی مورخ۔“

ایڈم کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے۔

شہزادی اپنا گاؤن جھٹکتی اٹھی اور ایک شان سے چبوترے کے زینے اترنے لگی۔ ایڈم سانس روکے اس تختی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ شاہی مورخ کی کرسی اور اس کا سامان تھا۔

تالیہ اس کے قریب رکی اور ایک رول شدہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

”آدم بن محمد۔ آج سے تم ملاکہ کے سلطان مرسل شاہ کے شاہی مورخ تعینات کیے جاتے ہو۔“ کاغذ جھٹکا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ شاہی حکم نامہ تھا اور نیچے مرسل شاہ کی مہر نصب تھی۔ ”تم بنگارایا ملایو لکھو گے۔ تاشہ پسونا کے دور کی کہانی جو صدیوں یاد رکھی جائے گی۔ تمہارے نام کے ساتھ۔ تم.....ایڈم بن محمد ملاکہ سلطنت کے ”آدم بن محمد“ ہو۔“

وہ بالکل ششدر کھڑا تھا۔ ”کیا واقعی 'میں' وہ عظیم کتاب لکھوں گا؟ میں؟“

”بالکل۔“ وہ مسکرائی۔ ”اور تم اس داستان میں سب سچ لکھو گے۔ تمہاری شہزادی کبھی تمہیں جھوٹ لکھنے کو نہیں کہے گی۔ تم میری تاج اور تخت کی اس جنگ کو دیکھ کر جو محسوس کرنا، وہی سچ سچ لکھ ڈالنا۔“

”واقعی؟“ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔ ”میں سب سچ لکھ سکتا ہوں؟“

”بالکل بھی نہیں، ڈفر۔“ مسکراہٹ غائب کی اور ماتھے پہ بل ڈال کے اسے گھرکا۔ ”اتنے اعلیٰ عہدے مفت میں نہیں ملا کرتے۔ اس لیے میرا احسان مانو اور جو میں کہوں، وہی لکھنا ہے تم نے۔ تمہارے ایک ایک لفظ پہ میری نظر ہوگی، اچھا! زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ ایک کنگال رائٹر کا تھیلا چوری کروانے کے جرم میں ہاتھ کٹوا دوں گی تمہارا۔ ہونہہ۔“ ایک ادا سے سر جھٹکا اور آگے چل دی۔ اس کا

ریشمی شاہی لباس اس کے پیچھے پیچھے فرش پہ جھاڑو دیتا جا رہا تھا۔

ایڈم نے کینہ توز نظروں سے اسے دور جاتے دیکھا۔

''اگر اس تاشہ کو ساحرہ کی جگہ جادوگرنی بنا کے پیش نہ کیا تو میرا نام بھی ایڈم بن..... آدم بن محمد نہیں... ہاں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کے دل ہی دل میں تہیہ کیا۔

میز پہ رکھے شاہی حکم نامے کی سیاہی سوکھ چکی تھی اور موی مہر جم چکی تھی۔ ساتھ سجے قلم دوات اب اپنے لکھاری کے منتظر نظر آتے تھے۔

☆......☆......☆

صبح کی سفیدی نے ابوالخیر کی حویلی کے صحن کو روشن کر رکھا تھا۔ صحن کے کونے میں پنجوں کے بل بیٹھا فاتح مشکیزے سے پانی ہاتھوں میں بھرتا چہرے پہ ڈال رہا تھا۔ نماز کے بعد اس کی آنکھ لگ گئی تھی اور آج کسی نے دوبارہ آواز تک نہیں دی تھی۔ وہ اٹھا تو روشنی پھیل چکی تھی۔

آستین سے گیلا چہرہ رگڑتا وہ کچن کی طرف چل دیا۔ زندگی عجیب مختلف سی ہو چکی تھی۔ وہ صبح کی میلوں دور کی جاگنگ۔ وہ شام کا جم۔ وہ کے ایل کی عمارتوں کے کاریڈورز میں اپنے جیسے افراد کے ساتھ ساتھ تیز تیز چلتے ہوئے سیکرٹری کی بریفنگ سننا۔ وہ میٹنگز اور کانفرنسز کی سربراہی کرنا۔ وہ لوگوں سے بھرے ہال اور اسٹیج پہ کھڑا تقریر کرتا وان فاتح۔ وہ کیمروں اور مائیکس کے سامنے فلیش لائیٹس کی چمک میں انٹرویو دیتا آدمی۔ وہ سب کتنا پیچھے رہ گیا تھا۔ بجلی اور برقی آلات سے غیر مانوس ایک قدیم شہر میں وہ پھنس گیا تھا جہاں وہ صرف ایک قیدی غلام تھا۔ اور کچھ نہیں۔ یہ سب کہاں جا کے ختم ہوگا؟ وہ اس بارے میں کم سے کم سوچنے کی کوشش کرتا تھا۔

خیالات کو ذہن سے جھٹکتا وہ باورچی خانے میں آیا تو سب مصروف نظر آتے تھے۔ ایک طرف دیگچے میں غلاموں کے لئے پھیکا بدمزہ دلیہ بن رہا تھا۔ باقی تمام چولہوں پہ ابوالخیر اور اس کے اقارب کے لئے شاہانہ ناشتے کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے آیا اور چاولوں کا تھال اٹھایا تو نگران باورچی نے روک دیا۔

''تم رہنے دو۔'' کڑاہی میں آٹے کے پیڑے تلتے ہوئے وہ عام سے انداز میں بولا۔ ''تمہارے لئے نیا لباس رکھا ہے۔ وہ تم پہن لو۔ اور ابھی آرام کرو۔ کوئی کام ہوا تو بلوا لوں گا۔''

فاتح بس اسے دیکھ کے رہ گیا۔ پھر بے دلی سے تھال پرے ڈالا اور اپنی کوٹھڑی میں آ گیا۔ وہاں تازہ پوشاک رکھی تھی۔ صاف ریشمی ٹوپی۔ نئے جوتے۔

عجیب وحشت ناک چیزیں تھیں وہ۔ جیسے آہنی بیڑیاں اتار کے طلائی بیڑیاں پہنائی جا رہی ہوں۔

کچھ دیر بعد وہ نیا لباس پہنے' ماتھے پہ سبز پٹی باندھے' اصطبل کے زینوں پہ بے کار سا بیٹھا تھا۔ اس کی طرح کے دو اور غلام بھی

آج نئے لباس میں آگے پیچھے ٹہلتے نظر آرہے تھے۔ان کا بھی یہ آرام کا دن تھا۔کسی بڑی قربانی سے پہلے کا آرام!

اصطبل میں جگہ جگہ گھوڑے بندھے تھے۔ہر گھوڑے کی اپنی کوٹھڑی تھی جس میں وہ آرام سے بیٹھا یا کچھ کھاتا پیتا نظر آرہا تھا۔ایسے میں وہ البینو غلام ایک گھوڑے کو باہر نکال کے لایا اور اس کی گردن کے چمک دار بال کھینچنے لگا۔(بال گھڑ سواری کے دوران مشکل پیدا کرسکتے ہیں'اس لئے ان کو سنوار کے کھینچ کے اکٹھا کیا جاتا ہے تاکہ وہ سمٹے رہیں۔)

فاتح ایک دم آستینیں چڑھاتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''خبردار....رکو۔'' لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ اس کے قریب آیا۔''اس کے بالوں کو مت چھوؤ۔ابھی اس نے کھانا نہیں کھایا۔گھوڑے کے کھانے کے وقت سے پہلے اس کے بالوں کو نہیں چھوتے۔''

البینو نے رخ نہیں موڑا'نہ ہی کوئی تاثر دیا۔بس سنجیدہ چہرے کے ساتھ جھٹکے سے بال چھوڑ دیے۔فاتح نے ایک گہری نظر اس کے چہرے کے زاویوں پہ ڈالی۔

''میں تم سے بات کر رہا ہوں۔''

البینو نے اکھڑا اکھڑا سا چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔اردگرد کام کرتے غلام بھی رک کے ان دونوں کو دیکھنے لگے تھے۔وہاں ابوالخیر کا کوئی سپاہی موجود نہ تھا۔سارے کام غلام ہی نبٹا رہے تھے۔

''اس گھوڑے کو واپس اندر لے جاؤ۔ویسے بھی یہ ٹھوس بھورے رنگ کا ہے۔ٹھوس رنگوں کے گھوڑوں کو سدھانا مشکل ہوتا ہے'یہ کام تم سے نہیں ہوگا۔وہ سفید گھوڑا جس میں بھورے دھبے ہیں.....(بازو لمبا کر کے تحکم سے ایک طرف اشارہ کیا۔)اس کو لے کر آؤ اور اس کے بالوں سے شروع کرو۔دھبوں والا گھوڑا اتنا اتھرا نہیں ہوتا۔''

البینو نے تلخی سے گھوڑے کی لگام پٹخی اور پورا اس کی طرف گھوما تو آنکھوں میں غصہ تھا۔

''تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟''

''تاکہ یہ گھوڑا تمہیں دولتی مار کے ہلاک نہ کردے۔خدا کی قسم'اگر اس نے ایسا کیا تو ابوالخیر کو تم سے زیادہ گھوڑے کے پیروں کی فکر ہوگی۔''

''اور کیا تمہیں ہماری فکر ہے؟ ہرگز نہیں۔تم تو اب جا رہے ہو۔اگلے ہفتے نیلامی ہے۔جس پہ تمہیں فروخت کردیا جائے گا۔کسی رئیس یا سلطان کے محل میں تم عیش کرو گے۔''

فاتح قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔میں نے زندگی میں کبھی وعدے نہیں توڑے۔کبھی اپنے لوگوں کو اکیلا نہیں چھوڑا۔غور سے سن لو

میری بات۔'' کہہ کے وہ اپنے قدموں پہ آہستہ آہستہ گھوما۔

اردگرد کام روک کے کھڑے تمام غلام یک ٹک اسے دیکھ رہے تھے۔

''پچھلے ایک ماہ میں ہر روز جب میں تم سے ملتا ہوں تو ایک ہی بات کہتا ہوں۔'' اس کی آنکھیں ایک غلام سے دوسرے تک کا سفر کرتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ ''کہ اپنے لئے لڑنا سیکھو۔ کسی کو اجازت مت دو کہ وہ تمہیں جسمانی اذیت پہنچائے یا تمہیں اپنا غلام بنائے۔ اللہ نے ہم سب کو آزاد پیدا کیا ہے مگر کچھ انسان ہم سے یہ آزادی چھین لیتے ہیں۔ آزادی واپس لینے کے لئے لڑنا پڑتا ہے' جان مارنی پڑتی ہے۔ اور اگر تم لوگ....'' اس کی آواز دھیمی مگر صاف تھی۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

''اگر تم لوگ اپنے لئے نہیں لڑ سکتے' تو بھی میں تمہارے لئے لڑوں گا۔ میں تمہارے لئے واپس آؤں گا۔ میں تمہیں اس قید سے نکالوں گا۔ میں اپنے لوگوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا اور مجھے وعدے نبھانے آتے ہیں۔''

وہ واپس البینو کی طرف گھوما۔ البینو کے کندھے ڈھیلے پڑ چکے تھے البتہ آنکھوں کا شاکی پن کم نہ ہوا تھا۔

''اس لئے جب فاتح بن رامزل تمہیں حکم دے کہ گھوڑے کے شر سے خود کو بچاؤ تو اس حکم کی تعمیل کرنا سیکھو۔ مجھے وہ لوگ نہیں پسند جو مجھ پہ بھروسہ نہیں کرتے!''

پھر اس نے بھورے گھوڑے کی گردن تھپتھپائی۔ گھوڑے نے فوراً سر اس کی طرف جھکا دیا۔

''تم ادھر آؤ!'' ایک دوسرے غلام کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔ وہ سارے کام چھوڑ کے بھاگا چلا آیا۔

''اس کو کھانا کھلاؤ' اور پھر استرا لے کر اس کے بال اطراف سے کاٹ دو' مگر تب جب وہ پرسکون ہو۔ پھر اس کے بالوں کی مینڈھیاں بناؤ تاکہ وہ گردن کے ایک طرف پڑی رہیں۔ ہر تیسرے دن تم اس کی مینڈھیوں کو کھول کے کنگھا کر کے دوبارہ ان کو گوندھ دو گے تاکہ اس کا ایک بھی بال خراب نہ ہو۔''

غلام نے ادب سے سر کو خم دیا۔ فاتح نے گھوڑی کی گردن سے ہاتھ ہٹایا اور ایک آخری نظر البینو پہ ڈالی جو قدرے نرم' قدرے خفا سا کھڑا تھا۔

''میں تمہارے لئے واپس آؤں گا' لیکن صرف تب جب تم مجھ پہ بھروسہ کرو گے۔ معجزے صرف ان لوگوں کو ملتے ہیں جو معجزوں کے ہونے پہ یقین رکھتے ہیں۔'' اور پھر آگے بڑھ گیا۔

تمام غلام راستہ چھوڑ کے ادھر ادھر ہو گئے۔ وہ ان کے درمیان سے گزرتا چلتا جا رہا تھا اور وہ مڑ مڑ کے اسے جاتے دیکھ رہے تھے۔ ان کے میلے' گدلے' مفلوک الحال چہروں پہ ڈھیروں امید تھی اور آنکھوں میں ہلکی سی نمی۔

☆......☆......☆

''سلطنت محل'' کا دربار اس دوپہر ویران ویران سا لگتا تھا۔ درباریوں کی کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ تخت پہ سلطان مرسل شاہ بیٹھا میز پہ رکھے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی نازک سی پیالی سے قہوے کے گھونٹ بھی بھر رہا تھا۔

اس کے کندھے کے قریب کھڑا راجہ مراد ایک کے بعد ایک کاغذ اس کے سامنے رکھتا اور اس کے متن سے آگاہ کرتا۔

''ہم آپ کے چچا (سابق سلطان) کے مقرر کردہ تمام اعلیٰ عہدیداروں کو ان کی نشستوں سے معزول کر کے اپنے وفادار آدمی ان جگہوں پہ بٹھا رہے ہیں۔ یہ کوتوال کی تعیناتی کا حکم نامہ ہے' آقا۔ آپ مہر لگا دیجیے۔'' کہتے ہوئے وہ محتاط نظروں سے مرسل کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بھی دیکھ رہا تھا۔

''مفید بن غالب۔'' مرسل نے گھونٹ بھرتے ہوئے نئے کوتوال (پولیس چیف) کا نام پڑھا۔ ''کیا یہ آدمی سابق کوتوال سے زیادہ اچھا ہے؟ سابق کوتوال اپنی بہترین انتظامی صلاحیتوں کے باعث عوام میں بہت مقبول تھا' مراد۔'' اسے جیسے اچنبھا ہوا۔

''بالکل آقا' وہ مقبول تھا' مگر وہ آپ کے چچازاد بھائیوں کا حامی ہے۔'' مراد جلدی سے بولا۔ تیز چمکتی آنکھیں مرسل کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''آپ کے چچازاد بھائی (سابق سلطان کے بیٹے) سلطان بننا چاہتے تھے مگر میں نے ان کو آپس میں لڑوا کے محل سے نکالا تھا۔ وہ مفرور ہیں مگر کبھی نہ کبھی واپس آنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ ایسے میں پولیس چیف ان کا حمایتی ہوا تو شہر کی پولیس ان کی مدد کرے گی۔ ہمیں ہر اعلیٰ عہدے پہ اپنے وفادار لوگ چاہییں' آقا۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر.....'' مرسل نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور سوچتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ ''یہ آدمی.....ایک تاجر ہے۔ کیا یہ شہر کی پولیس سنبھال سکے گا؟''

''آقا' ملازم رکھنے کی سب سے بڑی شرط وفاداری ہوتی ہے۔ وہ آقا کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ اس سے اوپر ہمیں کیا چاہیے؟''

''ہاں یہ بھی ہے۔'' مرسل آگے جھکا اور مہر اٹھا کے کاغذ پہ ثبت کی۔ راجہ مراد نے جلدی سے کاغذ رول کر کے سمیٹا اور پھر دوسرا کاغذ سامنے کیا۔

''میں شہر کا قاضی بھی بدل رہا ہوں۔ عارف بن مہور نیا قاضی ہوگا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے سوداگر ہے مگر قرآن و حدیث اور علومِ فقہ میں اسے خاص مہارت حاصل ہے۔''

''گزشتہ قاضی اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا' مراد۔'' مرسل نے قدرے الجھن سے پہلو بدلا۔ ''اور یہ آدمی تو سوداگر ہے۔ یہ عدالتیں کیسے چلائے گا۔''

''آپ کا خدشہ درست ہے آقا' مگر کیا چیز زیادہ بہتر ہے؟ ایک مقبول قاضی جو کسی بھی وقت دشمنوں سے جا ملے اور آقا کو قید یا جلا وطن کروادے' یا ایک ایسا قاضی جو آقا کے ساتھ وفادار ہو؟''

مرسل نے جواب نہیں دیا۔ بس بے زاری سے مہر اٹھا کے ثبت کی تو مراد نے گہری سانس خارج کی۔ پھر اگلا کاغذ سامنے رکھا۔

''یہ نئے سفیروں کی فہرست ہے جن کو ہم دوسرے ممالک میں آقا کے ترجمانوں کی حیثیت سے بھیجیں گے' یہ لوگ میرے وفادار اور پرانے جاننے والے ہیں۔ یہ آقا کی ایسی حفاظت کریں گے جیسی میں کرتا ہوں۔'' وہ اب نئے نئے صفحات سامنے رکھ رہا تھا اور مرسل شاہ ان پہ مہریں ثبت کر رہا تھا۔ درمیان میں جمائی روکنے کے لئے اس نے منہ پہ ہاتھ رکھا اور بولا۔

''بس یا اور؟''

''یہ محکمہ اوقاف کے نئے سربراہ کا حکم نامہ ہے۔ یہ شہر کا معروف تاجر ہے' اور اس کا کاروبار تین براعظموں تک پھیلا ہے۔ گزشتہ وزیرِ اوقاف بہت مقبول تھا کیونکہ وہ غریبوں تک زکوٰۃ اور صدقات کے پیسے ایمانداری سے پہنچاتا تھا مگر یہ بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ ہمارا وفادار ہے۔''

مرسل شاہ نے بغیر مزاحمت کے کاغذ پہ مہر ثبت کی اور پیچھے کو ٹیک لگا لی۔ مراد نے تمام کاغذات رول کر کے ایک ٹرے میں رکھے اور ساتھ ہی نرم خوئی سے کہنے لگا۔'' آقا.... طاقت حاصل کرنا کمال نہیں ہے۔ طاقت کو برقرار رکھنا اصل فن ہے۔ کوئی بھی شخص تنہا حکومت نہیں چلا سکتا۔ اس کو طاقتور لوگوں کا ساتھ چاہیے ہوتا ہے تاکہ سب مل کے آقا کے تخت کی حفاظت کریں۔ جب تک ہم اہم عہدوں پہ اپنے لوگ نہیں بٹھائیں گے' ہم سلطنتِ ملاکہ کو اپنے طریقے سے نہیں چلا سکیں گے۔''

''ہوں۔'' وہ بور سا ہو کے ادھر ادھر دیکھنے لگا' پھر یونہی سرسری سا بولا۔'' تمہاری بیٹی.... تاشہ.... ہم نے ان کا ذکر پہلے نہیں سنا۔''

طشت میں کاغذوں کے رول سجاتے مراد کے ہاتھ تھمے۔ پھر آہستہ سے آنکھوں کو گھما کے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔ وہ اپنی جواہرات سے مزین انگوٹھیوں کو انگلیوں میں گھما تا سامنے دیکھ رہا تھا۔

''تاشہ میری پہلی بیوی سے ہے۔'' مراد تول تول کے کہنے لگا۔'' ملک کے حالات اچھے نہ تھے اس لیے میں نے اس کو چین میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے بھیج دیا تھا۔ مگر جب میرے ملک کی باگ دوڑ ایک ایسے سلطان کے ہاتھ میں آ گئی (مرسل کی طرف اشارہ کیا) جو اپنی قوم کی حفاظت کرنا جانتا ہے تو میں نے اسے بلوا لیا (مرسل شاہ نے مسکرا کے فخر سے گردن ذرا اکڑا لی۔) اب ملاکہ میں رہنا اس کے لئے محفوظ تھا اور تالیہ کے کھونے کے بعد میں بہت اکیلا ہو گیا تھا۔ مجھے امید ہے وہ آقا کے دربار کے لئے نیک بخت ثابت ہو گی۔''

''ہاں۔ بالکل۔'' مرسل شاہ مسکرا کے کھڑا ہوا اور ہاتھ کمر پہ باندھے چبوترے کے زینے اترتا گیا۔ وہ تازہ دم سا خوشگواریت میں گھرا نظر آتا تھا۔

طشت میں باقی حکم نامے رکھتے مراد نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں گہری سوچ پنہاں تھی۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کے پائیں باغ کا آسمان سرمئی بادلوں سے ڈھکا نظر آ رہا تھا۔دوپہر کے باوجود باغ میں ٹھنڈی چھایا سی پھیلی تھی۔

شہزادی تاشہ کنیزوں اور غلاموں کی معیت میں روش پہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ پیروں تک آتا زرتار جامنی گاؤن پہنے' سر پہ تاج سجائے وہ معمول کے مطابق سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔

باغ کے وسط میں ایڈم کھڑا تھا۔پاجامے پہ اوورکوٹ نما گاؤن پہنے' سر پہ ٹوپی اوڑھے' وہ سنجیدہ نظر آتا تھا۔جب تالیہ اس کے قریب پہنچی تو اس نے بھی سر پورا جھکا کے اٹھایا۔''شہزادی!''

''شاہی مورخ میرے ساتھ آئے۔'' دو انگلیوں سے اشارہ کیا اور روش پہ آگے بڑھ گئی۔کنیزیں اور خادم پیچھے رہ گئے اور مورخ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔(کنیزیں کافی فاصلہ رکھ کے پیچھے چلنے لگیں۔)

''تم نے اپنی کتاب لکھنی شروع کر دی' ایڈم!'' سینے پہ بازو لپیٹے وہ چلتے چلتے پوچھنے لگی۔ایڈم نے ایک جلی بھنی نظر اس پہ ڈالی۔

''جی۔میں نے سارا قصہ لکھ لیا ہے کہ کس طرح مرسل شاہ اور پرانے بنداہارا نے مرسل کے چچا کا تخت الٹا' اس کو مارا' اس کے بیٹوں کو محل بدر کیا اور خود تخت پہ قبضہ جما لیا۔اس سارے کام میں سابق بنداہارا کی مدد کرنے والا مرسل کا پھوپھی زاد بھائی راجہ مراد تھا۔تخت پہ قبضے کے بعد جب مرسل اپنے کزن کو محل میں لے آیا تو مراد نے سب سے پہلے سابق بنداہارا کا پتا صاف کیا اور اس کو مروا دیا۔پھر خود بنداہارا بن بیٹھا۔اب میں اس مقام پہ پہنچ چکا ہوں جہاں مجھے (کھنکھار کے بولا) مراد راجہ کی بیٹی کا تعارف لکھنا ہے۔''

''بہت خوب۔'' تالیہ نے محظوظ انداز میں ارد گرد لہلہاتے درختوں پہ نظر دوڑائی۔''تو پھر لکھنا شروع کرو۔''

''جی جی....میں تو آپ کی ہدایات کا انتظار کر رہا تھا۔''

''تو پھر لکھو کہ شہزادی تاشہ بنتِ مراد ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی تھی۔(سنہری بالوں کو جھٹکا) اتنی حسین کہ لوگ دیکھتے رہ جاتے' آنکھیں خیرہ ہو جاتیں' شہر کے سارے رئیس اس پہ جان دیتے' اور.....''

اللہ کو جان دینی ہے میں نے چے تالیہ۔'' اس نے دونوں کان چھوئے۔''اتنا جھوٹ؟ یا اللہ...ایسی کوئی حسین بھی نہیں ہیں آپ۔اتنا زیور اور کامدار کپڑے کسی کو بھی پہنا دیں تو وہ خوبصورت لگے۔''

''اچھا تم بھی پہن لو....تو خوبصورت لگو گے؟''

''میں خواتین کی بات کر رہا تھا' اچھا۔اور یہ جن بالوں پہ آپ بہت فخر کرتی ہیں نا' مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ڈائی شدہ ہیں۔''

تالیہ نے (ہونہہ) سر جھٹکا' پھر آگے چل دی۔گردن اٹھا کے مسکرا کے درختوں کو دیکھتی ایک دفعہ پھر سے شروع ہو گئی۔

''لکھو کہ اس نے چین میں اعلیٰ پائے کے اساتذہ کے ہاں تربیت حاصل کی تھی۔ وہ ہر طرح کے علوم وفنون سے آراستہ تھی۔''

''کون سے اساتذہ؟ کون سے علوم وفنون؟ یہ ایک مہینہ ملاکہ میں رہ کے چند باتیں کیا سیکھ لیں آپ نے' آپ تو بھول ہی گئیں کہ ساری عمر آپ ملائیشیاء کی گلیوں میں بٹوے چراتی اور جیبیں کاٹتی رہی ہیں۔'' مگر وہ اثر لیے بغیر بولتی جا رہی تھی۔

''لکھو کہ وہ بارہ زبانیں جانتی تھی۔'' پھر لبوں پہ انگلی رکھ کے سوچا۔''اونہوں۔ بارہ زیادہ ہو جائیں گی۔ آٹھ کر دو۔''

''آٹھ؟ آٹھ زبانیں؟'' وہ جل بھن کے سیاہ ہوتا گھوم کے اس کے سامنے آیا۔''آپ مجھے ان آٹھ زبانوں کے نام بتا دیں جو شہزادی تاشہ کو آتی ہیں تو قسم خدا کی' میں آپ کو مان جاؤں گا۔''

''تو سنو......'' وہ انگلیوں پہ گنوانے لگی۔''ملے' اردو' چینی' انگریزی۔'' چار پہ گنتی ختم ہو گئی تو رکی۔

ایڈم نے اپنے پوروں پہ گنتے ہوئے فاتحانہ ابرو اٹھایا۔

''چار زبانیں رہتی ہیں ابھی۔''

مگر شہزادی کی اٹھی گردن میں ذرا بھی جھکاؤ نہ آیا۔ مسکرا کے بولی۔''ٹیکسٹ میسیجز والی رومن ملے' ٹیکسٹ میسیجز والی رومن اردو...رومن چینی اور رومن انگریزی جو ملے حروف تہجی میں لکھی جاتی ہے۔ لو.... آٹھ زبانیں پوری ہوئیں۔ اب آگے لکھو....''

مسکرا کے آگے بڑھ گئی اور وہ دانت کچکچاتا پیچھے لپکا۔

''لکھو کہ اس کی رحم دلی کے قصے سارے ملاکہ میں مشہور تھے' وہ اتنی رحم دل تھی کہ....'' اونچے گملوں میں رکھے پھولوں کے اوپر سے ہاتھ گزارتی وہ خوشگوار موڈ میں بول رہی تھی۔

''کہ نیک معصوم لوگوں کو گرفتار کروا دیتی تھی' کال کوٹھڑیوں میں بند رکھتی تھی' اور.... اور....'' وہ جلا بھنا سا کہہ رہا تھا مگر وہ رکی اور پھر سے اس کی طرف گھومی تو چہرے پہ برہمی تھی۔

''ابھی بلوا لیا نا میں نے اس کنگال رائٹر ابوبکر کو اور اس نے اپنا تھیلا پہچان لیا' تو دایاں ہاتھ کٹے گا تمہارا۔ دایاں!''

''یعنی آپ ظلم وجبر سے مجھ سے جھوٹ لکھوانا چاہتی ہیں؟ مطلب کہ...وہ ساری تعریفیں جو بنگارایا ملایو میں آپ کی لکھی گئی تھیں وہ آپ نے مورخ کو ڈرا دھمکا کے لکھوائی تھیں۔''

''اور نہیں تو کیا۔ ویسے بھی مورخ بڑے دو نمبر لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بادشاہوں کی عظمت کے قصے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں' وہ کوئی سچ تھوڑا ہی ہوتے ہیں؟ خوشامدی' درباری' ٹیپیکل لالچی مفاد پرست مورخ۔'' وہ اس کے الفاظ معصومیت سے لوٹا رہی تھی۔

''میں نہیں بنوں گا ایسا مورخ' اچھا۔'' اس کی رنگت گلابی پڑ گئی تھی۔''اور اگر آپ ظلم وجبر سے مجھ سے اپنی جھوٹی تعریفیں لکھوا بھی لیں تو اس میں برکت نہیں ہوگی۔ جھوٹ جس چیز میں بھی شامل ہو جائے' اس کی برکت لے جاتا ہے۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' شریفہ کنیز بھاگتی ہوئی آتی دکھائی دی۔ تالیہ رکی اور دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھنے لگی۔

''شہزادی!'' اس نے جھک کے تعظیم پیش کی اور ایک رول ہوا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ تالیہ نے کاغذ کھولا اور پڑھا۔

ہر لفظ کے ساتھ پیشانی پہ بل پڑتے گئے۔ شریفہ کو ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا تو وہ فوراً ہٹ گئی۔

یہ کیا ہے' چے تالیہ؟'' وہ اس کے چہرے کی سنگینی دیکھ کے سنجیدہ ہوا۔

''آج کے جاری ہونے والے حکم ناموں کی ایک نقل۔'' وہ فکر مند نظر آ رہی تھی۔ ''راجہ مراد نے شہر کا کوتوال (پولیس چیف)' قاضی' وزیرِ اوقاف اور سفیروں کو بدل دیا ہے۔ اس نے پرانے عہدیداروں کی جگہ اپنے دوست لگا دیے ہیں۔''

''تو آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں؟ نئی حکومت آتی ہے تو چہرے تو بدل ہی جاتے ہیں۔''

وہ چند لمحے ایڈم کو دیکھتی رہی۔ ''حکومت کیا ہوتی ہے' ایڈم؟''

''حکومت.... مطلب بادشاہ' وزیر... یا ہمارے دور میں وزیرِ اعظم اور پارلیمنٹ کے ممبرز وغیرہ۔''

''تمہارے خیال میں یہ لوگ کوئی ملک چلاتے ہیں؟''

''ہاں۔ کیونکہ یہ حکمران ہوتے ہیں۔''

''غلط.... کوئی بھی ملک صرف اس کا وزیرِ اعظم' بادشاہ یا ممبرز پارلیمنٹ نہیں چلاتے۔ ملک کو اس کے 'ادارے' چلاتے ہیں۔''

''ادارے؟'' ایڈم نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ جیسے عدلیہ کا ادارہ۔ پولیس کا ادارہ۔ فوج کا ادارہ۔ زکوٰۃ صدقات تقسیم کرنے کا ادارہ۔ خزانے کا ادارہ۔ سفارتکاری کا ادارہ۔ ملک اداروں سے مل کے بنتا ہے۔ اور ملک تب مضبوط ہوتا ہے جب اس کے ادارے مضبوط ہوتے ہیں۔''

''ادارے مضبوط مطلب؟'' وہ دونوں پھر سے روش پہ چلنے لگے تھے مگر ان کی گفتگو کی نوعیت بدل چکی تھی۔

''یعنی جب ان اداروں کے سربراہ قابل اور ایماندار لوگ ہوں گے تو ہی ادارہ مضبوط ہوگا۔ شہر کا قاضی ایماندار ہوگا تو بادشاہ کو بھی کٹہرے میں لے آئے گا۔ کوتوال ایماندار ہوگا' تو شہزادے کو بھی گرفتار کر لے گا۔ لیکن جو بادشاہ اور بندا ہارا صرف اپنی طاقت کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں' وہ مضبوط ادارے برداشت نہیں کر سکتے۔''

''یعنی وہ اداروں کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تاکہ ادارے ان کے جرائم پکڑ نہ سکیں۔''

''بالکل۔ اور اداروں کو کمزور کیسے کیا جاتا ہے بھلا؟''

''آپ بتائیے... کیسے؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہا تھا۔

''میرٹ ختم کر کے۔اب بتاؤ مجھے میرٹ کیا ہوتا ہے؟''

''میرٹ یعنی....یعنی....مجھے معلوم ہے میرٹ کیا ہوتا ہے مگر....''

''میرٹ کا مطلب ہوتا ہے'نوکری اس کو دی جائے جس میں دو باتیں ہوں۔وہ اس کام کا اہل ہو اور وہ ایماندار رہو۔یہ وان فاتح سے سنا تھا میں نے۔مگر راجہ مراد جیسے سیاستدان اداروں کے سربراہ ایسے لوگوں کو بنا دیتے ہیں جو نہ ایماندار ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کام کے اہل۔یہ لوگ....''اس نے کاغذ لہرایا۔''یہ تاجر اور سوداگر ہیں۔ان کو عدلیہ'یا پولیس کی الف بے بھی نہیں آتی مگر ان کو صرف راجہ کی دوستی کے باعث عہدہ ملا ہے۔''

''مگر چے تالیہ....حکمرانوں کو یہ عہدے اپنے وفادار لوگوں کو دینے پڑتے ہیں تاکہ ان کا تخت محفوظ رہے۔اب اگر راجہ نے میرٹ کو پسِ پشت ڈال کے خود سے مخلص لوگوں کو یہ عہدے دے دیے تو اس میں اتنا غلط کیا ہے؟''

جواب میں تالیہ نے گہری سانس لی اور ہاتھ سے دور ہاتھ باندھے کھڑے خادموں اور کنیزوں کی طرف اشارہ کیا۔''یہ راجہ کے ذاتی ملازم ہیں۔ان کو ملازمت پہ رکھتے وقت کیا راجہ نے صرف وفاداری دیکھی ہوگی؟ یہ نہیں دیکھا ہوگا کہ ان کو کام کرنا بھی آتا ہے یا نہیں؟ باورچی خانے میں کیا راجہ کسی ایسے غلام کو جگہ دے گا جس کو چائے تک نہ بنانی آتی ہو؟''

''نہیں تو۔''

''کیا راجہ جیسے سیاستدان اپنے گھروں اور دفتروں میں اہلیت اور ایمانداری دیکھے بغیر کسی کو نوکری دیتے ہیں؟ کیا وہ اپنے ذاتی کاروبار کا اکاؤنٹنٹ کسی بے ایمان آدمی کو بنا دیتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔''

''وہ تو ملک کے اداروں کی باگ دوڑ بغیر میرٹ کے کیوں کسی کے حوالے کر دیتے ہیں؟''

''کیونکہ..''ایڈم نے گہری سانس لی۔بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔''وہ ملک کے ساتھ مخلص نہیں ہوتے۔''

''اور یہ لوگ....جو راجہ نے تعینات کیے ہیں....''اس نے کاغذ پھر سے لہرایا۔''یہ نہ صرف نااہل ہیں' بلکہ یہ تو بزنس مین ہیں۔''

''بزنس مین کو سیاسی عہدے دینے میں کیا قباحت ہے'شہزادی؟''اس کی آواز خود بخود مودب ہو چلی تھی۔

''ایڈم بن محمد....''وہ ایک قدم آگے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''مجھے آٹھ زبانیں نہیں آتیں۔نہ ہی میں نے چین کے استادوں سے تربیت حاصل کی ہے'نہ میں نے کتب خانے کی ساری کتابیں پڑھ ڈالی ہیں۔مگر مجھے ایک بات اس محل نے سکھا دی ہے کہ اپنے ملک کی باگ دوڑ ایک تاجر کے ہاتھ میں کبھی نہیں دیتے۔کیونکہ اسے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔فروخت کر دینا۔''

ایڈم بالکل دھک سے رہ گیا۔وہ اب سر جھکائے کاغذ کو پھر سے پڑھ رہی تھی۔اس کی صبیح پیشانی سلوٹ زدہ تھی۔وہ فکرمند تھی۔

وہ ملاکہ کے لوگوں کے لئے فکرمند تھی۔

"راجہ آتے ساتھ ہی ہر ادارے کو کنٹرول کر رہا ہے۔ یقیناً کچھ ایسا ہے جو وہ کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ ادارے اس کے خلاف نہ کھڑے ہوں۔ ایسا کیا ہے جو راجہ چھپا کے کر رہا ہے۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

ایڈم بس چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں میں نے اپنے ساتھ اس لئے رکھا ہے ایڈم کیونکہ ہمیں مل کے چابی ڈھونڈنی ہے۔ تمہیں اپنی کتاب میں میری خوشامدیں لکھنی پڑیں گی تاکہ راجہ کو یہ لگے کہ میں خوشامد سے خوش ہوتی ہوں اس لئے ایک خوشامدی کو ہر جگہ ساتھ لئے پھرتی ہوں۔ اس طرح کسی کو میرے اور تمہارے تعلق پہ شک نہیں ہوگا اور ہم ساتھ کام کر سکیں گے۔ ہمیں راجہ مراد کا راز بھی کھوجنا ہے' اور وہ چابی بھی۔ میں ابھی تک راجہ کے کمرے میں نہیں جا سکی۔ کسی دن ہمیں اس کمرے کی تلاشی بھی لینی ہوگی۔ اور....." وہ ٹھہری اور آواز دھیمی کی۔ "مجھے لگتا ہے خزانہ واقعی ہے۔ کوئی خزانہ جو ہمارا منتظر ہے...اور اسے صرف میں اور تم نکالیں گے۔ اس لئے تم....تم لکھو یہ سارے جھوٹ میرے بارے میں۔ میں جانتی ہوں میں اتنی اچھی نہیں ہوں مگر ہمیں اپنی جانیں بچانے کے لئے یہ کرنا ہوگا اور جو ہمیں کرنا آتا ہے' وہ......"

"وہ ہمیشہ ہماری جان بچاتا رہے گا۔" ایڈم نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نظریں تالیہ کی چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ اب دور کھڑی کنیز کی طرف گھوم چکی تھی۔

"شریفہ!" ایک آواز پہ کنیز دوڑی چلی آئی۔

"ابوالخیر کو پیغام بھیجو کہ اس کو وزیرِ خزانہ بنا دیا گیا ہے۔"

"مگر' شہزادی' اس کو تو یہ خبر کب کی مل چکی ہوگی۔"

"وہ بھی آگے سے یہی کہے گا۔ پھر جواب میں کہنا کہ اگر خبر مل گئی تھی تو شہزادی کے شکریے کے لئے وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں؟" بگڑے ہوئے موڈ میں بولی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسائے آگے بڑھ گئی۔ ایڈم اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر وہیں گھاس پہ بیٹھا اور اپنا دستہ کھول لیا۔ قلم کی نوک سیاہی میں ڈبو کے کاغذ پہ جمائی اور پھر دوبارہ سے تالیہ کو دیکھا جو اب برآمدے کے زینے چڑھ رہی تھی۔ بال کندھوں پہ جھول رہے تھے اور رنگت دھوپ میں سنہری لگ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی۔ گہری سوچ۔

اس کے سراپے کو نظروں میں رکھے' ایڈم کاغذ پہ الفاظ اتارنے لگا۔

"نام تھا جس کا تاشہ بنت مراد...

تھی وہ ملاکہ کی سب سے حسین شاہزادی۔

نہ تھا اس کا حسن صرف ظاہری....

بلکہ روشن تھا اس کا باطن بھی۔

نیت تھی اپنے ملک کے لئے نیک' اور دل تھا غریب پرور۔

سمجھتی تھی وہ سیاست کی دانائی کو خوب خوب

بلکہ اگر تم پوچھو مورخ سے تو شاید وہ کہے'

کہ ملایا کے سارے جزیروں میں سب سے زیادہ

بس وہی ہر بات کو سمجھتی تھی۔''

وہ دل سے لکھ رہا تھا۔اپنے اندر کے لکھاری کو دریافت کر رہا تھا۔اور تالیہ کے اندر کی شہزادی کو صدیوں کے لیے ''ملایا کے پھول'' کے صفحات میں قید کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس شام عصر کے بعد سے ہی آسمان سیاہ بادلوں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔قدیم ملاکہ پہ سایہ سا ہو گیا اور پھر موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔گلیاں اور چوبارے لمحوں میں جل تھل ہو گئے۔لوگ گھوڑے اور جانور جلدی جلدی اندر باندھنے لگے۔سڑکوں سے خوانچہ فروش اپنا سامان ڈھانپ کے گھروں میں گھس گئے۔بارش نے سارا شہر سنسان کر دیا۔

اپنی کوٹھڑی میں نیچے بیٹھا فاتح کپڑے تہہ کر رہا تھا۔ایک چمڑے کا سفری تھیلا اسے مہیا کیا گیا تھا جس میں اس نے اپنے استعمال کی چیزیں بھرنی تھیں۔کل نیلامی کے بعد اسے اس تھیلے کے ساتھ یہاں سے رخصت ہو جانا تھا۔ابوالخیر کے تربیت یافتہ غلام اعلیٰ آداب و اخلاق سے آراستہ ہوتے تھے' ان کا سامان' ان کا لباس ہر شے ان کے اعلیٰ ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہوتی تھی' اسی لئے وہ مہنگے داموں فروخت کیے جاتے تھے' مگر صرف امراء اور سلاطین کو۔

''کیا تم واقعی ہمیں یاد رکھو گے؟''

آواز پہ وہ چونکا۔کپڑے کی تہہ لگاتے ہاتھ تھمے۔

چوکھٹ پہ کم سن غلام لڑکا کھڑا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوف اور امید دونوں تھے۔

فاتح نے گہری سانس لے کر کپڑا پرے رکھا اور انگلی سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔وہ سر جھکائے آگے آیا اور اس کے بستر کے کنارے بیٹھا۔(بستر فرشی تھا۔گویا وہ دونوں زمین پہ ہی آمنے سامنے بیٹھے تھے)

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں بھول جاؤں گا؟''

لڑکے نے اداس آنکھیں اٹھائیں۔''کیونکہ ہم جیسوں کو کوئی یاد نہیں رکھتا۔''

''مفید!'' اس نے نرمی سے لڑکے کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''اللہ نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے۔ ہم انسانوں کو کبھی کسی دوسرے کا غلام نہیں بننا چاہیے۔ نہ محبت میں' نہ مجبوری میں۔ تمہیں اپنے حق کے لئے لڑنا ہوگا۔ اور جب تم جیسے لوگ اپنے لیے لڑو گے تو دیکھنا.... کئی صدیوں بعد ایک زمانہ ایسا آئے گا جب انسانوں کو غلام بنانے کا یہ رواج ختم ہو جائے گا۔''

لڑکے کی آنکھوں میں بے یقینی بھر آئی۔ ''واقعی؟ یہ صدیوں پرانا رواج ختم بھی ہو جائے گا؟''

''ہاں' مفید بن مہورا۔ ایک زمانہ آئے گا جب یہ ظلم کا رواج ختم ہو جائے گا..... تب لوگ صرف چند گھنٹے دوسروں کے ہاں ملازمت کریں گے' مگر ان کو بھاری تنخواہ ملے گی۔ مراعات' گھر' کھانا ملے گا۔ ان کے حقوق ہوں گے۔ وہ جب چاہیں نوکری چھوڑ کے جا سکیں گے۔ وہ آزاد ہوں گے۔'' مفید جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا' اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

''یہ زمانہ کب آئے گا؟''

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ ''باقی دنیا کے لیے یہ کئی سو سال بعد آئے شاید' مگر ملاکہ کے لوگوں کے لیے مرسل شاہ کے ہی عہد میں ایک وقت آئے گا جب کوئی تم سب غلاموں کو ان ظالم لوگوں سے نجات دلائے گا۔''

''تم مستقبل کے بارے میں اتنا کیسے جانتے ہو؟''

اس سوال پہ وہ زخمی سا مسکرایا۔

''یوں سمجھو میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک ایسے زمانے کا جب انسان آزاد ہوگا۔ میں تمہارے لئے وہ زمانہ تو نہیں لا سکتا لیکن تم سب کو ایک ایسے انسان سے ملوانے کا ذریعہ ضرور بننا چاہوں گا جو ملاکہ کی تاریخ بدلے گا۔ اس کے بعد اس ملک میں کم از کم چند سالوں تک کوئی کسی کو جبر سے اپنا غلام نہیں بنا سکے گا۔ بس تم... تم بھروسہ کرو۔''

''تم پہ؟''

''نہیں۔ اپنے آپ پہ۔'' اس کے کندھے کو نرمی سے تھپکا اور واپس کپڑے تہہ کرنے لگا۔ لڑکا ناسمجھی اور اداسی سے اسے دیکھے گیا۔ آزادی کا خواب..... بہت عجیب مگر بہت خوشگوار تھا۔ باہر برستی بارش کی طرح جس میں اگر مٹی کی سوندھی مہک تھی تو خوفناک آوازوں کا ڈراوا بھی شامل تھا۔

☆......☆......☆

بارش ہنوز موسلا دھار برس رہی تھی۔ راجہ مراد کا محل اندھیرے میں کھڑا بھیگ رہا تھا۔ تیز ہوا درزوں سے اندر داخل ہوتی اور راہداریوں میں روشن مشعلوں کے شعلے پھڑپھڑانے لگتے۔ ایک راہداری سے تالیہ تیز قدم اٹھاتی گزر رہی تھی۔ تاج سر پہ تھا' اور گردن بے نیازی سے اکڑی تھی۔ کنیزیں دائیں بائیں دو قدم پیچھے تھیں۔

دفعتاً وہ رکی۔کنیزیں بھی فوراً رک گئیں۔

ایک طرف تنگ سے زینے نیچے کو جا رہے تھے۔وہاں پہریدار کھڑے تھے۔تالیہ نے ابرو اکٹھے کیے۔

''نیچے کیا ہے؟''

''یہ راجہ مراد کا خزانے کا کمرہ ہے۔محل چلانے اور دیگر اخراجات کے لئے تمام مال یہیں رکھا جاتا ہے اور قیمتی زیورات وغیرہ بھی۔اس جگہ بھاری نفری تعینات رہتی ہے۔''

''کیا میں اندر جا سکتی ہوں؟''

''راجہ کے علاوہ کوئی اندر نہیں جا سکتا۔وہ ہر روز اس جگہ کا معائنہ کرتے ہیں۔''

''ہوں۔حیرت ہے میں نے یہ پہلے نہیں دیکھا۔''اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔کنیز شریفہ نے قدرے اچنبھے سے قدم اس کے پیچھے بڑھائے۔(ہر روز تو شہزادی یہاں سے گزرتی ہے۔بلکہ اپنی آمد کے دوسرے روز تو اس نے اس جگہ کا پوچھا بھی تھا' تو اب؟) خیر۔اس نے بھی سر جھٹک دیا۔(شہزادی کی ادائیں!)

اپنے کمرے میں آ کے اس نے شریفہ کو حکم دیا۔''مورخ کو بلا بھیجو۔''وہ جیسے بیزار اور تھکی تھکی ہو۔

مورخ کو اس کے کمرے میں بھیج کے شریفہ اور دوسری کنیزیں چلی گئیں۔اب باہر صرف دربان کھڑے تھے۔

ایڈم اندر آیا تو اس شاہی پرتعیش کمرے کو دیکھ کے حیران رہ گیا۔منہ کھل گیا اور گردن چاروں طرف گھوم گھوم گئی۔

اونچی چھت' ریشمی لحاف سے مزین بستر' نرم قالین....کرسٹل اور چینی کے بنے آرائشی برتن۔لٹکتے ہوئے جھلملاتے فانوس جن پہ دیے سجے تھے۔

تالیہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔پھر ٹھٹک گیا۔وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔شہزادی سے مختلف....سیاہ پاجامے اور کرتے میں ملبوس' بال سیاہ ٹوپی میں ڈھک رکھے تھے۔ایڈم نے منہ بنایا۔

''اتنے عیش سے رہنے والوں کا قیامت کے دن الگ سے حساب ہو گا۔''

''کوئی بات نہیں' ایڈم۔فوج کی نوکری سے نکال دیے جانے والوں کا حق بنتا ہے کہ وہ حسد کریں۔''

ایڈم کو اتنے ترش جواب کی امید نہیں تھی۔اس کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔

''اصلی فوجی ہونا نقلی شہزادی ہونے سے بہتر ہوتا ہے' چے تالیہ۔''

''تم بھول رہے ہو کہ راجہ مراد شاہی خاندان سے ہیں' اور میں بائی بلڈ شہزادی ہوں۔''گردن فخر اور استہزاء سے کڑائی۔

''جی نہیں۔آپ بھول رہی ہیں کہ آپ ایک زمانے میں کے ایل کی گلیوں میں لوگوں کی جیبیں کاٹتی پھرتی تھیں۔''

"اور تم بھول رہے ہو کہ ابھی بلوا لیا نا میں نے اس کنگال رائٹر کو تو تمہارا دایاں ہاتھ کٹے گا۔ دایاں!"

اس پہ ایڈم نے زور سے ہونہہ کیا۔ اور پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"کہیے۔ کیوں بلوایا ہے؟ اپنی مزید جھوٹی تعریفیں لکھوانے کے لئے؟ یاد رکھیے گا' اللہ کو جان دینی ہے میں نے' اس لئے....."

"آج بارش ہے' اور محل کے باہر تعینات پہریدار پناہ کے لئے اندر گھس گئے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی تو ایڈم رک کے سننے لگا۔

"نیچے ایک کمرہ ہے جہاں راجہ اپنا خزانہ رکھتا ہے۔ اس کمرے کی تلاشی کا آج سے بہتر موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ میں کافی دنوں سے اس کی تاک میں تھی۔"

"اوہ۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" وہ بھی سنجیدہ ہوا۔

"تم اس رسی کو پکڑو گے۔ میں کھڑکی سے نیچے جاؤں گی اور اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر جاؤں گی۔ کمرہ خالی ہوتا ہے۔ اور محل کے سبزہ زار پہ اس وقت پہریدار بھی نہیں ہیں اس لئے کوئی مجھے نہیں دیکھے گا۔"

"کیا راجہ نے وہ چابی یا ایسی کوئی چابی وہاں چھپائی ہوگی؟" اس کے اندر امید جاگی۔

"بالکل یہ ہو سکتا ہے۔ اور....." وہ رکی۔ تذبذب سے ایڈم کے تاثرات دیکھے۔ "اور کیا معلوم اس کمرے میں راجہ کے خزانے پہ ہمارا نصیب لکھا ہو۔"

ایڈم کی آنکھیں اچنبھے سے پھیلیں۔ "کیا مطلب؟"

"ایڈم....." وہ دبے دبے جوش سے کہتی قریب آئی۔ "وہ خزانہ جس کی مجھے تلاش تھی' میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اور تم اس کو تلاش کرنے جا رہے ہیں۔ یہ خواب آنے والے وقت کا ہے۔ یہ واقعہ ابھی 'ہونا' ہے۔"

"اف بے تالیہ۔ اللہ کی پناہ۔ آپ اس خزانے کا خیال دل سے نکال کیوں نہیں دیتیں۔" ایڈم نے بے اختیار سر پہ ہاتھ رکھا۔ "اس خزانے کے لالچ نے ہمیں وقت کا قیدی بنا ڈالا ہے۔ اس لئے اس کو بھول جائیں اور صرف چابی تلاش کریں۔"

"اگر ایسا خزانہ ہوا تو کیا تم...."

"بھول جائیں اس خزانے کو۔ رسی لٹکائیں اور نیچے اتریں۔" وہ جھنجھلا کے بولا تو وہ چپ ہو گئی اور زبردستی مسکرائی۔ "شیور۔ میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی۔" اور کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔

چند منٹ بعد وہ اس کمرے کے روشن دان سے اندر اتر رہی تھی۔ بلی کی طرح دیوار پہ سیدھی اترتی اس نے فرش پہ بنا آواز کے جست لگائی۔ پھر سانس روک کے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔ ایک مشعل روشن تھی۔ قطار میں چند صندوق رکھے تھے۔ اور ان کے اوپر چند رجسٹر شیلف میں پڑے

تھے۔ ہر صندوق کے اوپر حساب کتاب کی تختی لکھی تھی۔ وہ تیزی سے ان تک آئی۔ ان کو تالے لگے تھے۔ تالیہ نے ایک ننھی سلاخ جیب سے نکالی اور باری باری ان کے تالے کھولنے لگی۔

کل چھے صندوق تھے۔ کسی میں چاندی کے سکے تھے' کوئی طلائی سکوں سے آدھا بھرا تھا۔ کسی میں چند زیور تھے۔ ہر صندوق کے اندر بھی حساب کتاب کے پرچے پڑے تھے۔ راجہ ایک ایک پائی کا حساب رکھتا تھا' یعنی وہ ایک شے بھی نہیں چرا سکتی تھی۔ ویسے بھی ان صندوقوں نے اسے مایوس کیا تھا۔ وہ محل کے اخراجات کے لئے تھے۔ اور ان میں مال کچھ اتنا زیادہ نہ تھا کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں۔ آخری صندوق تو ویسے بھی خالی تھا۔

وہ واپس رسی کی طرف آئی۔ پھر رکی۔

آخری صندوق خالی تھا؟

وہ الٹے قدموں واپس آئی اور اس صندوق کو دوبارہ دیکھا۔

وہ باقی سب سے چھوٹا تھا۔ لکڑی کا صندوق جس کے اوپر نشان تھے۔ جیسے ضربیں لگی ہوں۔ تالیہ نے اس پہ ہاتھ پھیرا۔ لکڑی نم تھی۔ اس نے جھک کے دیا سلائی جلائی اور صندوق کے کونوں کو دیکھا۔ پھر ناخن سے اسے کھرچا۔ اندر ریت پھنسی تھی۔ اس نے ڈھکن کھولا۔ وہ خالی تھا۔ البتہ اس کے کونے میں ایک جگہ ایک سکہ پھنسا تھا۔ سونے سکہ جو پھنس جانے کے باعث نظر نہیں آیا تھا۔

تالیہ نے اسے زور سے کھینچا تو وہ نکل آیا۔ صندوق کے اندر بھی جگہ جگہ ریت کے ذرے پڑے تھے۔

وہ واپس اوپر آئی تو سانس چڑھا ہوا تھا۔ ایڈم تب تک گھوم پھر کے اس کا کمرہ دیکھنے کے ساتھ ساتھ شیلف پہ رکھی کتابوں کا معائنہ کر رہا تھا۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ آپ نے ان میں سے ایک کتاب بھی نہیں پڑھی۔''

''ایڈم۔'' وہ پھولے سانس کے ساتھ قریب آئی۔ اور ٹوپی کھینچ اتاری۔ سنہرے بال کندھوں پہ گر گئے۔ ''اندر کچھ خاص نہیں ہے سوائے ایک خالی صندوق کے۔''

''خالی صندوق؟''

''اس میں ایک سکہ پھنسا ہوا تھا۔'' اس نے مٹھی کھول کے دکھایا۔ سونے کا چھوٹا مگر موٹا سا سکہ۔

ایڈم نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ ''پھر؟''

''باقی سارے صندوق بھاری تھے۔ سوکھے تھے۔ ان میں حساب کتاب کے کاغذ تھے۔ وہ وہیں پڑے رہتے ہیں۔ ان کو کوئی وہاں سے ہلاتا نہیں ہے۔ مگر یہ چھوٹا صندوق ہلکا تھا۔ یہ بار بار اٹھایا اور واپس لے جایا جاتا ہے۔'' وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ ''یہ ابھی نم تھا'

یعنی شام کو ہی کوئی اسے بارش میں واپس لایا ہے۔ مگر اتنے خفیہ طریقے سے کہ معلوم ہی نہیں ہوا مجھے۔"

"شام کو بارش کے دوران تو چاول اور دوسرا غلہ محل میں آیا ہے صرف۔ میں باہر ہی بیٹھا تھا۔"

"اس صندوق کو اس سامان میں چھپا کے لایا گیا ہے۔"

"مگر وہ خالی کیوں تھا؟"

"اس پہ رسیاں باندھنے کے نشان تھے۔ اور اس میں ریت پھنسی تھی۔ جیسے اس کو ساحل کی ریت پر گھسیٹ کے کہیں لے جایا گیا ہو۔ وہ بار بار سفر کرتا ہے۔ اور وہ یہاں خالی واپس آتا ہے۔"

"مگر خالی کیوں؟" تالیہ چپ ہوگئی پھر سکے کو دیکھا۔

"شاید جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو خالی نہیں ہوتا۔ اس میں سکے بھرے ہوتے ہیں۔ اور اس کو کسی ریتلی جگہ پہ لے جا کر خالی کیا جاتا ہے اور پھر واپس لایا جاتا ہے۔ یہ کام جلدی جلدی کیا جاتا ہے' تبھی ایک پھنسا ہوا سکہ ان کی نظروں سے اوجھل گیا۔"

چند لمحے لگے ایڈم کو ساری کتھا سمجھنے میں۔

"یعنی راجہ اس صندوق کے ذریعے سونے کے سکے کہیں منتقل کر رہا ہے۔"

تالیہ کی آنکھیں چمکیں۔ "ہاں۔ راجہ مراد کا اصل خزانہ کہیں اور ہے۔ یہ کمرہ تو محض گھر کے اخراجات چلانے کے لئے ہے۔ راجہ اپنی دولت کو کہیں اور جمع کرتا جا رہا ہے۔"

"مگر وہ چابی..... ہمیں تو اس سے مطلب ہے نا۔"

"راجہ کی محفوظ جگہ اگر کہیں اور ہے تو وہ چابی بھی کہیں اور ہوگی۔ اگر ہم اس صندوق کی جگہ کا پتہ لگا لیں تو چابی بھی مل جائے گی۔"

"مگر کیسے؟"

"میں کچھ سوچتی ہوں۔" وہ اب کھڑکی کے ساتھ گری رسی لپیٹنے لگی۔ دماغ الجھ سا گیا تھا۔ مورخ نے ایک تنقیدی نظر اس کمرے پہ ڈالی اور منہ میں بڑبڑایا۔

"الگ سے حساب ہوگا' یاد رکھیے گا۔" جلے دل سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ جواباً منہ میں بڑبڑائی۔ "بھگوڑا فوجی۔"

"ہونہہ۔ نقلی شہزادی۔" اس نے سن لیا تھا' اس لئے کہے بغیر باہر نہیں نکلا۔

☆......☆......☆

'ملاکہ سلطنت محل' کے دربار کی کھڑکیوں سے اس صبح روشنی چھن چھن کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ تخت بچھا تھا۔ دربان مستعد کھڑے تھے۔ درباری وزراء اور امراء قطار میں لگی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ سب کی نگاہیں خالی تخت سے دربار کے دروازے پہ بار بار اٹھتی

تھیں۔سلطان مرسل کا انتظار کیا جا رہا تھا جو آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔وہ اتنی صبح خیزی کا عادی نہ تھا اور اس کے انتظار میں وزراء اور جرنیلوں کو پہروں بیٹھنا پڑتا تھا۔

دربار سے چند کوس دور محل کے دوسرے حصے میں آؤ تو اپنی خواب گاہ میں مرسل شاہ بستر پہ نیم دراز تھا۔آنکھیں موندے وہ اونگھتا ہوا دکھائی دیتا تھا جب دربان کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔وہ ملکہ کی آمد کا اعلان کر رہا تھا۔

مرسل نے قدرے بے زاری' قدرے مجبوری سے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کے بیٹھا۔

ملکہ یان سوفو کامدار لباس میں ملبوس' تاج سر پہ سجائے' کروفر سے اندر داخل ہوئی اور اس کے سامنے آ رکی۔اٹھ کے بیٹھے جمائی روکتے مرسل شاہ نے محض پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے ملکہ؟ اتنی صبح صبح؟''

''چین سے قاصد آیا ہے اور بری خبر لایا ہے۔'' وہ سخت خفگی کے عالم میں بتانے لگی۔''میرے والد' شاہِ چین' جب سے آپ سے ملاقات کر کے گئے ہیں' بیمار پڑے ہیں۔ان کے جسم پہ پھوڑے نکل آئے ہیں۔جو کہ جان لیوا بھی ثابت ہو سکتے ہیں۔''

مرسل نے ابرو تعجب سے بھینچے۔''یہ کیسے ہوا؟''

یان سوفو نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا۔''شاہی طبیب کا خیال ہے کہ ان کو آپ کی نظر لگی ہے۔''

''میری نظر؟'' مرسل کا منہ کھل گیا۔

''جی آقا' آپ کی نظر۔میرے والد کی جان بھی جا سکتی ہے۔ہمیں اس کا جلد از جلد تریاق کرنا ہوگا۔''

مرسل فوراً کھڑا ہو گیا۔وہ پریشان نظر آتا تھا۔''مم....میں کیا کروں پھر؟''

''طبیب نے ٹوٹکا لکھ بھیجا ہے۔آپ کو اس کے مطابق غسل کرنا ہوگا اور غسل کا پانی بادشاہ سلامت کو بھیجا جائے گا' جو ان کے پھوڑوں کے لئے تریاق کا کام دے گا۔جو بھی ہو آقا' آپ کو میرے والد کے لئے ہر کوشش کرنا ہوگی۔''

تن فن کرتی جیسے آئی تھی ویسے ہی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔مرسل ہکا بکا اسے جاتے دیکھتا رہا۔منہ ابھی تک کھلا تھا۔

دربار میں مرسل شاہ کا انتظار ہوتا رہا' مگر وہ نہیں آیا۔

باہر دالان کے پار ایک تھکے ماندے گھوڑے کے ساتھ دھول میں اٹا سوار کھڑا تھا۔باہر آتی یان سوفو اسے دیکھ کے رکی' اپنی کنیزوں کو تھم جانے کا اشارہ کیا' اور لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے تیزی سے سوار کی طرف آئی۔

''ملکہ!'' اس نے جھک کے تعظیم پیش کی۔

''تم واپس آ گئے۔'' وہ بے چینی سے دبی دبی آواز میں بولی۔دالان کے فوارے کے ساتھ وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے

اور کنیزوں کا گروہ دور خاموش سے کھڑا ان کو دیکھ رہا تھا۔

''جی ملکہ۔''

''شہزادی تاشہ کے بارے میں معلوم ہوا کچھ؟'' اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''ان کے شہر کے کوتوال سے مل کے آرہا ہوں۔ اس نے تاشہ شہزادی کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لئے وقت مانگا تھا۔ جب مقررہ وقت پہ اس کے پاس گیا تو اس نے یہ مراسلہ تھمایا۔ یہ سر بہ مہر ہے اور مجھے اس کو کھولنے کی اجازت نہیں۔ کوتوال نے خاص رازداری سے کہا تھا کہ اسے آپ ہی کھولیں گی۔''

اس نے ریشمی رومال میں لپٹا ایک رول اسے تھمایا جسے ملکہ نے فوراً لباس میں چھپا لیا۔

اپنی خواب گاہ میں آ کے اس نے دروازے بند کیے' جلدی سے بستر کے کنارے بیٹھی اور ریشمی کپڑے کی مہر پھاڑی۔ پھر اندر سے رول شدہ کاغذ نکالا۔ اس پہ الگ مہر تھی۔ (موم پگھلا کے دونوں سرے بند کر رکھے تھے۔) اس نے احتیاط سے اسے کاٹا اور دھڑکتے دل سے کاغذ کھول کے سامنے کیا۔

مگر اگلے ہی لمحے وہ بالکل شل رہ گئی۔

کاغذ خالی تھا۔

بالکل کورا سفید۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کا ملاقاتی کمرہ آج صبح خوب روشن تھا۔ کل کی بارش کے بعد سیاہ بادل چھٹ گئے تھے اور سنہرا چمکتا ہوا دن طلوع ہوا تھا۔ اونچی کھڑکی کے ساتھ ابوالخیر کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ اس کے لمبے بال چہرے کے اطراف میں گر رہے تھے۔ دربان نے شہزادی کی آمد کا اعلان کیا تو وہ چہرے پہ مسکراہٹ لئے پلٹا۔

پٹ کھلے اور تالیہ اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔ سر پہ پہنے تاج سے لٹکتا کپڑا کندھوں پہ پھیلا تھا۔ نیچے گھیر دار پاؤں کو چھوتا کامدار ریشمی لباس تھا۔ تاشہ کی گردن سیدھی اور چہرہ سنجیدہ تھا۔

''شہزادی۔'' اس نے جھک کے سلام کیا۔ شہزادی کے چہرے پہ ذرہ برابر بھی مسکراہٹ نہیں آئی۔

''لگتا ہے ابوالخیر صاحب کو خبریں دیر سے ملتی ہیں۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں شہزادی' طبیعت ناساز تھی' اس لئے پہلے حاضر نہیں ہو سکا۔'' پھر دوبارہ سے جھکا اور سر واپس سیدھا کیا۔ گہری نظریں تالیہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔ ''میں آپ کا بہت مشکور ہوں کہ آپ نے آقا سے میری سفارش کی۔''

''میں نے وہ فیصلہ کیا جو آقا اور ملاکہ سلطنت دونوں کے حق میں بہتر تھا۔'' وہ اب کے ہلکا سا مسکرائی۔

''کچھ تحائف حرم میں بھجوائے ہیں میں نے' امید ہے آپ کو اچھے لگیں گے۔''

''ہاں' میں نے ابھی دیکھے نہیں۔'' بے نیازی سے کندھے پہ آئے بال پیچھے کرتے ہوئے بولی۔''اب تو سارے تحائف ہی ایک سے لگتے ہیں' ابوالخیر۔ وہی زیور' وہی ریشم' وہی چینی کے برتن۔''

ابوالخیر نے اپنی شیر جیسے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔''جی' یہ بات تو درست ہے آپ کی۔ (اسے جیسے تذبذب ہوا) اگر شہزادی کے ذہن میں میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو مجھے آگاہ ضرور کیجئے گا۔''

''خدمت تو میں نے سنا ہے آپ بہت اچھی کرتے ہیں۔ میرے بابا کی کرتے رہتے ہیں۔ مگر مجھے اپنے لئے کچھ درکار نہیں۔ میرے پاس....'' دونوں بازو پھیلا کے ادھر ادھر دیکھا۔''اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔'' فخر سے گردن کڑائے مسکرائی۔

''الحمد اللہ شہزادی!'' اس نے ادب سے سر کو خم دیا البتہ ابھی تک سوچتی نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔

''مگر ملاکہ کے لوگوں کے پاس سب کچھ نہیں ہے۔ تو کیوں نا میں اپنی رعایا کے لئے کچھ ایسا بنا جاؤں جو میرے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کے کام آتا رہے۔'' وہ بات کرتے ہوئے کھڑکی کی طرف چلی آئی اور باہر جھانکا۔ محل کے باغات یہاں سے صاف دکھائی دیتے تھے۔

''اتنی کم عمری میں دنیا سے جانے کی باتیں' شہزادی؟''

تالیہ مڑی' یوں کہ اب چہرہ ابوالخیر کی طرف اور پشت کھڑکی کی طرف تھی۔''اس دنیا سے جانے کی واحد صورت صرف موت نہیں ہے' ابوالخیر۔ سفر کے طریقے اور بھی ہوتے ہیں مگر وہ آپ کی سمجھ سے ہٹ کے ہیں۔'' روشنی اس کی پشت سے آ رہی تھیں' ایسے میں شہزادی کا چہرہ تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ وہ مسکرا رہی ہے یا اس پہ افسوس کر رہی ہے۔

''آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟''

''میں اپنی گمشدہ بہن تالیہ بنتِ مراد کے نام کی ایک مسجد بنوانا چاہتی ہوں' ایک عظیم الشان مسجد جو رہتی دنیا تک یاد رکھی جائے۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ اس کارِ خیر میں بھرپور حصہ لیں گے۔''

ابوالخیر بالآخر کھل کے مسکرایا اور سر کو پورا جھکا کے سیدھا کیا۔''میرے لئے اعزاز کی بات ہو گی' شہزادی۔ آپ بےفکر ہو جائیے۔ میں آج ہی مسجد کا نقشہ تیار کرواتا ہوں اور اس نقشے کی منظوری کے بعد خزانے سے مطلوبہ رقم نکال کے مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرواتا ہوں۔''

''مگر میں مسجد میں اعلیٰ پائے کی تزئین و آرائش بھی چاہتی ہوں جو سرکاری امداد سے پوری نہ ہو سکے گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

''وہ آپ میرے ذمے چھوڑ دیں۔ ہر کام بطریقِ احسن مکمل ہوگا۔ آپ کی خواہش جلد آپ کے سامنے مجسم صورت کھڑی ہوگی۔'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔

''کب تک؟''

''بس نیلامی ختم ہو جائے' پھر میں اس کام کو شروع کرتا ہوں۔''

''نیلامی؟'' اس کا دل دھڑکا مگر بظاہر سادگی سے پوچھا۔''کوئی غلاموں کی نیلامی کرتے ہیں نا آپ؟''

''جی۔کل نیلامی ہے میرے ہاں۔ ہمارے پاس بہترین قسم کے غلام ہیں۔اعلیٰ تربیت اور آداب سے آراستہ۔آپ بھی اگر تقریب کو رونق بخشیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

''نہیں' شکریہ۔میں نے کیا کرنا ہے غلاموں کا۔یہاں بہت غلام ہیں پہلے سے۔''اس نے بے نیازی دکھائی۔

''کیا شہزادی تاشہ نے کوئی مسجد بنوائی تھی' چے تالیہ؟'' کچھ دیر بعد جب ایڈم اور وہ پائیں باغ کی روش پہ ٹہل رہے تھے تو ایڈم نے حیرت سے پوچھا۔''اور اگر بنوائی بھی تھی تو وہ اب ملائیشیاء میں کس جگہ واقع ہے۔میں نے تو ایسی کسی مسجد کا نہیں سنا۔ہاں ہو سکتا ہے پرتگالیوں نے ملاکہ پہ قبضے کے بعد اس مسجد کو شہید کر دیا ہو اور.....'' وہ مغموم ہونے لگا تو وہ ایک دم اس کی طرف گھومی۔

''کوئی مسجد نہیں بنے گی' ایڈم۔نہ ہی ابوالخیر اور میں کوئی مسجد بنانا چاہتے ہیں۔''

ایڈم کا منہ کھل گیا۔''کیا مطلب؟ تو ابوالخیر پیسے کس چیز کے دے گا؟''

''مسجد صرف کاغذوں میں بنے گی' ہم اس کا نقشہ منظور کروا کے اس کے لئے سرکاری خزانے سے فنڈز حاصل کریں گے' اور ان کو میں خود استعمال کروں گی۔ابوالخیر جو بھی رقم مجھے آئیندہ رشوت کے طور پہ دے گا' اس پہ قانون اس کو پکڑ نہیں سکتا کیونکہ کاغذوں میں وہ رقم چندے کے طور پہ دی جا رہی ہوگی۔''

''یعنی کہ مسجد.....مسجد نہیں بنے گی؟''

''نہیں ایڈم۔یہ مسجد صرف ایک شیل کمپنی ہے۔آف شیور کمپنی۔''

''آف شیور کمپنی کیا ہوتی ہے۔''

''بس کاغذوں میں لکھ دو کہ یہ میری کمپنی ہے' میں اس کی مالک ہوں' اور اس کی ملکیت میں یہ یہ عمارتیں شامل ہیں اور اس کو رجسٹرڈ کروالو۔پھر اپنا سارا مال جو رشوت یا کرپشن میں کمایا ہو اس کو اس کمپنی کی آمدنی کے طور پہ ظاہر کرو۔اور بس۔''

''یعنی کہ آپ.....آپ حکومتی خزانے سے جو پیسے لیں گی وہ 'کرپشن' کے زمرے میں آئیں گے؟ اور جو چندے کے نام پہ ابوالخیر سے رقم لیں گی' وہ رشوت ہوگی۔وہی میں کہوں' آپ اور مسجد؟ جی نہیں۔اتنا نیک کام آپ سے نہیں ہوگا۔'' وہ دونوں ایک دفعہ پھر باغ کی

روش پہ ٹہلنے لگے تھے۔ زمرد گھاس کے درمیان وہ دودھ جیسے سفید پتھروں سے بنی روش بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی۔

''ہمیں وان فاتح کو خریدنا ہے کل۔''

''وان فاتح؟'' وہ بالکل ٹھہر گیا۔ ''کیا غلاموں کی نیلامی ہو رہی ہے؟''

''ہاں۔ ابوالخیر نے بتایا ہے۔ جو تحفے اس نے صبح بھیجے تھے' ان میں موجود جواہرات کو ہم مال کے طور پہ استعمال کرلیں گے۔ اور سنو' اس کے بھیجے صندوقوں میں سے ایک صندوق بالکل اس جیسا ہے جو باپا کے خزانے والے کمرے میں رکھا ہے۔''

''یعنی اشرفیوں سے بھرا وہ صندوق جس کو راجہ بار بار پیسے لانے اور لے جانے کے لئے استعمال کرتا ہے' وہ اس کو ابوالخیر کی طرف سے ملتا ہے؟'' وہ کسی نکتے پہ پہنچ رہے تھے۔

''ہاں' اور اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس مال کو یہ لوگ کہاں سے حاصل کرتے ہیں اور یہ جا کہاں رہا ہے.....''

''ہم نہیں' آپ۔'' وہ انگلی اٹھا کے تنبیہہ کرتا دو قدم پیچھے ہٹا۔ ''اس جہنم میں لے جانے والے سیاہ کام سے مجھے نا آپ دور رکھیں۔ پہلے ہی آپ کی وجہ سے بہت گناہ کر چکا ہوں میں۔''

''جیسے ایک کنگال رائٹر کی چیزیں چرا کے اس کا روپ دھارنا؟'' وہ چمک کے بولی تو ایڈم نے انتقامانہ نظروں سے اسے گھورا۔

''میں اب آپ کی اس دھمکی سے نہیں ڈرتا۔ کیونکہ اگر میرا راز کھلا تو مجھے یہ عہدہ دینے والے کو بھی سزا ملے گی ہے نا۔''

''تمہیں اس عہدے پہ سلطان مرسل نے رکھا ہے۔ اب ان کو کون سزا دے سکتا ہے بھلا؟'' آخر میں مسکرائی تو ایڈم نے مارے ضبط کے مٹھی بھینچ لی۔

''اس لئے اب جاؤ۔ اور اپنی کتاب پہ کام کرو۔''

تیکھے انداز میں کہہ کے وہ آگے بڑھ گئی اور ایڈم جلی بھنی نظروں سے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

نقلی سہی' مگر شہزادی تو تھی۔ آہ۔

ایڈم بن محمد کے پاس سے مڑی تو وہی مسکراہٹ چہرے پہ در آئی جو ہمیشہ اس کو ستانے کے بعد اسے چھپانی پڑتی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ مگن سی اندر آئی تو راہداری میں راجہ مراد آتا دکھائی دیا۔ فوراً رکی' چہرہ سنجیدہ بنایا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

''راجہ!''

وہ کمر پہ ہاتھ باندھے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتا قریب آیا۔ لمبے بال کندھوں کو چھو رہے تھے اور گردن کا سریا اول روز کی طرح تھا۔

''تم اور ابوالخیر' تالیہ' کے نام کی مسجد بنوا رہے ہو؟''

تالیہ نے نظریں اٹھائیں اور ہلکا سا مسکرائی۔ ''آپ کو میرا یہ کام پسند آیا ہوگا' مجھے امید ہے۔ میں آپ کے ہی نقشِ قدم پہ چلنا چاہ رہی ہوں' راجہ۔''

مراد کے لب مدھم سی مسکراہٹ میں ڈھلے۔ ''ہوں' مجھے خوشی ہے۔''

تالیہ نے پھر سے سر جھکایا اور اس کے ساتھ سے نکل کے آگے بڑھی' مگر مراد کی آواز نے اسے روک دیا۔

''اور اپنی ماں؟ اس کے لئے کبھی کچھ تعمیر کرنے کا نہیں سوچا تم نے؟''

تالیہ بالکل ساکت رہ گئی۔ تھوک نگلا اور بظاہر مسکراتی ہوئی پلٹی۔ ''ماں کے لئے؟''

مراد اس کی طرف گھوما' ایسے کہ اس کے چہرے پہ نرمی تھی۔ ''تمہاری ماں کو مرے ہوئے چھ سال ہونے کو آئے ہیں۔ تم سات برس کی تھیں جب وہ طاعون سے مری تھی۔ کیا اس کی قبر پہ جانے کا دل نہیں چاہا تمہارا تالیہ؟''

پہلی دفعہ مراد کے چہرے پہ احساس کی رمق دکھائی دی تھی۔ جیسے دکھ کا کوئی سایہ ہو۔ جیسے ماضی کا کوئی شائبہ ہو۔

''میں ماں کا ذکر کر کے آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی' بابا۔ یہ ذکر آپ کی کمزوری سامنے لے آئے گا' اور آپ پتھر صورت زیادہ طاقتور لگتے ہیں۔ ایسے ہی رہا کریں۔'' پھر سر جھکا کے بولی۔ ''راجہ!'' اور پلٹ گئی۔

اسے اپنی ماں یاد نہیں تھی' مگر اس سے کیا فرق پڑتا تھا؟ اس کے پاس سوچنے کو اور بہت کچھ تھا۔

☆......☆......☆

سوموار کی شام ابوالخیر کی حویلی کے سامنے کھلے میدان میں میلا لگا تھا۔ رنگ برنگی جھنڈیوں سے جا بجا سجاوٹ کی گئی تھی۔ ایک جانب اونچا چبوترہ (اسٹیج) سا بنا تھا اور سامنے قطار در قطار کرسیاں رکھی تھیں جن پہ شہر کے معززین بیٹھے تھے۔ جگہ جگہ جھلملاتے قمقموں اور مشعلوں نے رات میں روشنی کا سماں باندھ رکھا تھا۔

چبوترے کے عقب میں عارضی دیواریں لگی تھیں۔ جہاں سے ایک آدمی باری باری غلاموں کو باہر لاتا اور چبوترے پہ دھکیل دیتا۔ غلام کسی فیشن ماڈل کی طرح لمبے چبوترے پہ آگے چلتا جاتا اور سرے پہ جا کے رک جاتا۔ اس کے ہاتھوں سے پیروں تک لمبی بیڑیاں بندھی ہوتیں۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے حاضرین کو دیکھتا۔

کرسیوں پہ بیٹھے امراء اور رئیس اپنے اپنے کارڈ بلند کرتے اور اس کی بولی لگاتے جاتے۔ جہاں بولی رکتی' وہاں فروخت کا اعلان کر دیا جاتا۔ اعلان کرنے والا ابوالخیر کا قریبی غلام محمود مرنی تھا۔ وہ ہر اعلان سے پہلے اول قطار میں ٹھاٹھ سے بیٹھے ابوالخیر کو ضرور دیکھتا تھا۔ جواب میں ابوالخیر مسکرا کے سر کو جنبش دیتا تو وہ اعلان کر دیتا۔

نیلامی کی تقریب ابھی جاری تھی۔ آغاز میں معمولی غلام اور لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ ایسے میں چبوترے کے پیچھے جاؤ تو

وہاں لمبی قطاروں میں پنجرے رکھے تھے جن میں غلام قید تھے۔

آخری پنجروں میں سے ایک میں فاتح کھڑا تھا۔ اس نے پنجرے کی سلاخوں سے کمر ٹکا رکھی تھی اور سینے پہ بازو لپیٹے کچھ سوچ رہا تھا' جب پیچھے کوئی کھنکھارا۔ وہ چونک کے پلٹا۔

اس کے پنجرے کے ساتھ وہ دونوں کھڑے تھے۔ چغوں میں ملبوس' سر پہ ٹوپیاں گرائے۔ نیم اندھیرے کے باوجود وہ ان کے چہرے دیکھ سکتا تھا۔ ایڈم اور تالیہ۔

فاتح نے گہری سانس لی اور احتیاط سے ادھر ادھر دیکھا۔ قریبی پنجروں کے پاس بھی لوگ منڈلا رہے تھے' وہاں رش سا لگا تھا۔ پہریدار روک ٹوک نہیں کر رہے تھے۔ بولی لگانے سے قبل لوگ غلاموں کو جانچ لیں' اچھا تھا۔

''ہم آپ کو خریدنے آئے ہیں' تو انکو۔'' سیاہ ہڈ میں اس کا چہرہ پر امید سا دمک رہا تھا۔ سنہری لٹیں ٹوپی سے نکل رہی تھیں جن کو وہ بار بار اندر اڑستی تھی۔

''مجھے نہیں' میری آزادی کو خریدنے!'' وہ سلاخوں کو پکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے جتا کے بولا تھا۔

وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''ظاہر ہے' آپ کو کون خرید سکتا ہے۔''

''اتنی رقم ہے تمہارے پاس؟'' اس نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''جی سر۔'' ایڈم جھٹ بولا۔ ''سب سے اونچی بولی ہم لگائیں گے۔''

''اور اتنی رقم آئی کہاں سے؟'' سنجیدگی سے تالیہ کو دیکھا۔

''میرے بابا مجھے کافی سارا جیب خرچ دیتے ہیں۔ میں نے بہت کچھ جمع کر لیا تھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔

''ہوں.... اور ابوالخیر تمہیں پہچانے گا تو نہیں؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''کیسے پہچانے گا؟'' اس نے پھر شانے اچکائے۔ فاتح نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ پوری طرح سے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔

''ویسے بھی بولی ایڈم لگائے گا۔ میں خاموش رہوں گی۔'' وہ اب اس کو طریقہ کار بتا رہی تھی مگر فاتح کی نظریں اس کے پیروں تک جو جھکیں تو اٹھی نہیں۔ تالیہ رک گئی۔ سر جھکا کے پیر دیکھے۔ ان میں پیلے رنگ کے جوتے تھے جن پہ موتی لگے تھے۔

''یہ جوتے تم نے کہاں سے لئے؟'' فاتح نے نظریں اٹھائیں تو ان میں کچھ عجیب سا تھا۔

''یہ؟'' اس نے بے پرواہی سے سر جھٹکا۔ ''شہزادیوں کے پاس ان چیزوں کی کمی نہیں ہوتی' تو انکو۔''

''یہ ہاتھ سے بنے ہیں' تالیہ۔ اور یہ ابوالخیر کا ملازم محمود مرنی بناتا ہے۔ صرف خاص تحفوں کے لئے۔ یہ اس نے میرے سامنے ایک صندوق میں رکھے تھے جس میں بہت سے دوسرے تحفے بھی تھے۔ تو کیا وہ تحفے ابوالخیر نے تمہیں بھیجے تھے۔'' اس کا انداز ایک دم

پھنکارتا ہوا ہو گیا۔ ایڈم نے بے اختیار تالیہ کا چہرہ دیکھا۔ پل بھر کو وہ پھیکی پڑی۔ مگر ابھی بھی جیسے وہ اچنبھے میں تھی۔

''شاید۔ مگر تحفے تو آتے رہتے ہیں اور....''

''سن باؤ کی جگہ ابوالخیر کو وزیر بنانے کے بدلے میں اس نے رشوت دی ہے نا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا برہمی سے پوچھ رہا تھا۔

''مگر آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں؟''

''کیونکہ ابوالخیر صرف تحفے نہیں بھیجتا' سونے چاندی کے زیورات بھی بھیجتا ہے۔ اور ابھی تم نے مجھے کہا کہ نیلامی کے لئے رقم تمہارے جیب خرچ سے آئی ہے' مگر مجھے لگ رہا ہے وہ بھی رشوت کے طور پہ ابوالخیر کی دی گئی ہو گی۔''

وہ لمحے بھر کو خاموش ہو گئی۔ ''اگر ایسا ہے بھی تو ہم اسے اسی کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ آپ نے خود ہی کہا تھا کہ جو ہمیں معلوم ہے۔ وہ ہماری جان بچائے گا۔''

''اور تم نے کہا تھا تم اب جھوٹ نہیں بولو گی۔'' وہ افسوس سے نفی میں سر ہلاتا سلاخیں چھوڑ کے پیچھے ہٹا۔ ''تم نے اتنی آسانی سے مجھ سے جھوٹ بول دیا۔''

وہ بار بار لب کھولتی' پھر بند کر دیتی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ''میرے پاس تفصیل بتانے کا وقت نہیں تھا' اور....''

''اور تم نے جھوٹ بول دیا؟ اس طرح نہیں ہوتا تالیہ.... کسی بھی رشتے اور تعلق میں' خواہ وہ صرف ورکنگ ریلیشن شپ ہی ہو' صرف سچ بولا جاتا ہے۔ تم مجھے سچ بھی بتا سکتی تھیں۔''

''آپ کو مجھ پہ غصہ ہے کس بات کا' ہاں؟'' اس کی آواز ہلکی سی بھرا گئی۔

''میں ابھی بات نہیں کرنا چاہتا۔'' اس نے برہمی سے کہہ کے رخ موڑ لیا۔ وہ دکھ اور غصے سے کچھ کہنے لگی تھی مگر ایڈم نے آہستہ سے پکارا۔ ''چلیں۔ ہماری باری آنے والی ہے۔''

وہ رخ موڑے کھڑا تھا۔ ایک دم وہ اتنا ناراض' اتنا اجنبی لگنے لگا تھا۔ جیسے اپنے گھر کی لائبریری میں لگتا تھا۔ جیسے کے ایل میں اس سے بیزار سا لگا کرتا تھا۔

وہ ملامتی نظروں سے اسے دیکھتی پلٹ گئی۔

کچھ دیر بعد فاتح بیڑیوں میں بندھا چبوترے پہ چلتا آ رہا تھا۔ اس نے سفید کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا' پیشانی پہ سبز پٹی بندھی تھی اور چہرہ سپاٹ' بے تاثر تھا۔ وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتا ہوا آخری سرے تک آیا اور رک گیا۔ وہ سامنے حاضرین کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس میکانکی انداز میں دور سیاہ افق پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔

محمود مرنی چبوترے کے دوسرے سرے پہ کھڑا' اعلان کرتے ہوئے بولا۔ ''فاتح بن رامزل..... بولی شروع ہوتی ہے پانچ سو

دینار سے۔کیا کوئی پانچ سو طلائی سکے دے گا اس تنومند غلام کے لئے؟''

کرسیوں پہ آخری قطار میں بیٹھے ایڈم کے قریب وہ جھکی۔''وان فاتح نے اپنا نام درست بتایا ہے ان کو؟''

''وہ جھوٹ نہیں بولتے' چے تالیہ۔''

''ہونہہ۔''وہ سر جھٹک کے سیدھی ہوئی۔ایڈم نے ہاتھ میں پکڑی چھڑی بلند کی۔''چھے سو دینار۔''چھڑی پہ بڑا سا پتا لگا تھا جس پہ ایک ہندسہ لکھا تھا۔

''چھے سو دینار۔''محمود مرنی نے زور سے کہا۔''کیا کوئی اس سے اوپر دے گا۔''

''سات سو دینار۔''

''نو سو دینار۔''

''ایک ہزار۔''تین چار آوازیں بلند ہوئیں۔

''پندرہ سو دینار۔''ایڈم نے اپنا کارڈ مزید اونچا کیا۔

''بولی دلچسپ مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔کیا کوئی مزید رقم دے گا؟''محمود جوش سے اعلان کر رہا تھا۔

''دو ہزار دینار....''دوسرے کونے سے آواز آئی تو تالیہ نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

آخری قطار میں بیٹھا وہ سن باؤ وانگ لی تھا۔آرام سے بیٹھا' کچھ منہ میں چباتے ہوئے' وہ کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔

تالیہ کے ابرو تن گئے۔''قیمت بڑھاؤ' ایڈم۔''وہ بے چینی سے بولی۔

''بائیس سو دینار۔''

''پچیس سو دینار۔''وانگ لی نے دوبارہ کارڈ بلند کیا۔اب کی دفعہ اگلی قطار میں بیٹھے ابوالخیر نے بھی گردن موڑ کے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی آ گئی تھی مگر وانگ لی ساتھ میں کوئی پھل بھی کھائے جا رہا تھا۔فاتح نے افق سے نظریں ہٹا کے وانگ لی کو دیکھا۔دونوں کی نظریں ملیں۔چینی مہم جو جواب میں صرف مسکرایا اور سر کو خم دیا۔

''تین ہزار دینار۔''ایڈم نے اونچا سا کہا اور اس کی طرف جھکا۔''کیا اتنے پیسے ہیں ہمارے پاس؟''

''رقم کی فکر مت کرو۔ہم انتظام کر لیں گے۔''

''چار ہزار دینار۔''وانگ لی نے اطمینان سے رقم بڑھائی۔تالیہ نے پہلو بدلا۔

''پانچ ہزار دینار۔''ایڈم کو پسینے آ رہے تھے مگر وہ صدا لگائے جا رہا تھا۔

''پانچ ہزار دینار۔زبردست۔کیا کوئی ہے جو....''محمود مرنی جوش سے اعلان کر رہا تھا جب ٹھہر گیا۔ابوالخیر نے اشارہ کیا تھا۔وہ

فوراً چبوترے سے اترا اور مالک کے پاس آیا۔اس کے کان میں جھک کے بات کی ہدایات سنیں۔اور پھر اوپر آ کے حاضرین کی طرح رخ کیے کھنکھارا۔

''چونکہ یہ معاملہ اب سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے' اس لئے اس غلام فاتح بن رامزل کی بولی ہم واپس لے رہے ہیں۔یہ غلام اب نیلامی کے لئے دستیاب نہیں ہے۔''

تالیہ اور ایڈم نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔حاضرین میں سے حیرت اور اچنبھے سے بھری آوازیں بلند ہوئیں۔

''بجائے مقابلہ بازی اور نفرت انگیزی پھیلانے کے ہم نے یہ بہتر سمجھا کہ اس غلام کو ایک مقررہ قیمت پہ بیچ دیا جائے۔جو بھی شخص اس کو خریدنا چاہتا ہے' وہ دس ہزار دینار ادا کر دے اور اسے لے جائے۔''

''میں ادا کروں گا۔'' ایڈم بھی تیزی سے اٹھا۔چغے کی ہڈ سے اس کے چہرے پہ سایہ سا پڑا تھا۔لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

''میں بھی ادا کر دوں گا۔'' وانگ لی بیٹھے بیٹھے بولا۔پھولے گال مسلسل کچھ کھانے کے باعث ہل رہے تھے۔

البتہ ابوالخیر نے بس مسکرا کے چبوترے پہ کھڑے محمود کو اشارہ کیا۔جواباً محمود کسی رٹے رٹائے طوطے کی طرح بولا۔

''اگر دونوں فریقین مطلوبہ رقم ادا کرنا چاہتے ہیں' تو ہم یہ فیصلہ غلام پہ چھوڑتے ہیں کہ وہ کس کے ساتھ جانا چاہتا ہے۔'' وہ فاتح کی طرف گھوما۔''فاتح بن رامزل.....تم فریق نمبر چھ کے ساتھ جانا چاہتے ہو یا فریق نمبر بیس کے۔''

وہ بولی لگانے والے فریقوں کے کارڈز پہ لکھے نمبرز پڑھ کے کہہ رہا تھا۔تالیہ نے فوراً ایڈم کے کارڈ کا نمبر پڑھا۔بیس نمبر۔اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

بیڑیوں میں بندھے فاتح نے مجمع میں کھڑے دونوں آدمیوں کے نمبر دیکھے۔

ایڈم بیس نمبر اٹھائے امید اور بے چارگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اس کی نظریں سن باؤ کی طرف اٹھیں۔وہ ایک ہاتھ سے دوریان پھل کھاتے ہوئے' دوسرے سے چھ نمبر کارڈ بلند کیے ہوئے تھا۔فاتح نے لب کھولے۔

''میں چھ نمبر کے ساتھ جاؤں گا۔سن باؤ وانگ لی کے ساتھ۔''

ابوالخیر کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیل گئی مگر اس نے ضبط کر کے تالی بجائی۔تمام حاضرین تالیاں بجانے لگے۔صرف ایڈم تھا جو ہکا بکا کھڑا تھا اور تالیہ.....وہ بے یقین' شل سی بیٹھی تھی۔

''فاتح بن رامزل دس ہزار دینار میں وانگ لی کو فروخت کیا جاتا ہے۔اگلے غلام کو لایا جائے۔'' منادی ہو رہی تھی' شور بڑھ گیا تھا۔چغے کی ٹوپی کے ہالے میں اس کا چہرہ پھیکا پڑ رہا تھا۔

ایڈم نڈھال سا واپس بیٹھا۔ ”یہ کیا ہو گیا؟“

تالیہ دھیرے سے اٹھی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ ایڈم پیچھے لپکا۔

”چے تالیہ....“ وہ تاریک خاموش گلیوں سے گزرتے جا رہے تھے جب اس نے ڈرتے ڈرتے پکارا۔ تالیہ کی ہُڈ سر سے گر چکی تھی۔ سنہری بال چہرے پہ بکھرے تھے اور وہ سامنے دیکھتی چل رہی تھی۔

”فاتح صاحب نے ایسا کیوں کیا؟“

”کیونکہ انہوں نے ایک عرصہ وانگ لی کے مجسمے سے محبت کی ہے۔ وہ ان کو یوں لگتا تھا جیسے کوئی بچھڑا دوست ہو۔ وہ اپنے دوست کے پاس واپس جانا چاہتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ دوست دوست ہوتا ہے اور فین فین۔“

”مگر....“

”ہم دونوں ان کے فین ہیں بس ایڈم۔ صرف فین۔ ادنیٰ کارکن۔ ہم کبھی ان کے دوست نہیں بن سکتے۔“ وہ تیز تیز چلتے ہوئے بول رہی تھی۔ چہرہ گلابی پڑ رہا تھا۔ آواز رندھ رہی تھی۔

”اور آپ نے ایسا کیوں کیا؟“

وہ رک گئی۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”مجھے..... میں...“ وہ کہتے کہتے رکی' پھر سر جھٹکا۔ ”جو میرے منہ سے نکلا' میں بولتی گئی۔ اب کیا ان کو تفصیل بتاتی کہ کہاں سے آئی رقم۔ مگر اس میں کوئی اتنا خفا ہونے والی بات تو نہیں تھی کہ وہ یوں کرتے میرے ساتھ۔“

”آپ نے ان سے جھوٹ بولا تھا' چے تالیہ۔“

”میں نے جان کے ایسا نہیں کیا' بس.... بس جو میری سوچ میں آیا میں نے بول دیا۔“

”بس.... آپ کی سوچ میں ہی نہیں آیا وہ جواب' اس لئے آپ نے وہ دیا۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ جانتی ہیں انسانوں اور جانوروں میں کس عضو کا فرق ہوتا ہے؟“

”میرے پاس ان باتوں کا وقت نہیں ہے' ایڈم۔“

”اس کا۔“ اس نے انگلی سے ماتھے پہ دستک دی۔

”دماغ؟ یہ تو جانوروں میں بھی ہوتا ہے۔“ اس نے سینے پہ بازو لپیٹے اور آنکھیں تیکھی کر کے اسے دیکھنے لگی۔

”دماغ نہیں۔ دماغ کا سامنے والا حصہ۔ فرنٹل لوب۔ انسان کی فرنٹل لوب ہوتی ہے۔ پیشانی کے اندر کا حصہ۔ جانور اس سے

محروم ہوتے ہیں۔"

وہ لب بھینچے اسے دیکھتی رہی۔ بولی کچھ نہیں۔

"جب آپ کی آنکھ کچھ دیکھتی ہے' تو اس فرنٹل لوب کو پیغام بھیجتی ہے۔ (اس نے آنکھ سے پیشانی تک لکیر کھینچی' گویا راستہ متعین کیا۔) پھر فرنٹل لوب اس بات کو سوچتی ہے اور پیغام بھیجتی ہے پچھلے حصے کو۔ (انگلی ماتھے سے سر کے پیچھے لے گیا۔) پچھلا حصہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے کہ یہ کام کرو' یا ٹھہر جاؤ۔ (انگلی پچھلے حصے سے دوسرے ہاتھ تک لے گیا۔) یوں ہم وہ کام کرتے ہیں' یا صبر کر کے خود کو روک لیتے ہیں۔"

"تو؟"

"تو یہ کہ.... جانوروں میں یہ فرنٹل لوب نہیں ہوتی۔ ان کی آنکھ جیسے ہی کچھ دیکھتی ہے' ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دیتی ہے' وہ ہاتھ کو حکم دیتا ہے اور جانور ہر شے چیر پھاڑ کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس بات کو "پیشانی" تک لاتا ہی نہیں ہے۔ وہ اس کو process ہی نہیں کرتا۔ اس کو سوچتا ہی نہیں۔"

وہ بس پتلیاں سکوڑے اس کو دیکھے گئی۔

"انسان ہر بات فرنٹل لوب کے پاس لاتا ہے' اس پہ غور کرتا ہے' مگر جب کوئی کام عادت بن جائے' تو آنکھ اس کو دیکھتے ہی پیشانی کو پیغام پہنچانے کی بجائے ڈائریکٹ پچھلے حصے کو پیغام دے دیتی ہے جو ہاتھ کو کہتا ہے کہ کر ڈالو' اور ہاتھ کر ڈالتا ہے۔ یوں سارے اعضاء پیشانی کو بائی پاس کر جاتے ہیں۔ وہ شارٹ کٹ بنا لیتے ہیں۔ جیسے ہم کمرے میں داخل ہوتے ہی عادتاً سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مار کے لائٹ جلاتے ہیں۔ یوں عادتیں بنتی ہیں۔ مگر پھر...." اس نے گہری سانس لی۔

"کچھ کاموں میں دماغ کے پچھلے حصے کو مزا آنے لگتا ہے۔ وہ پیشانی کو بائی پاس کرنے لگ جاتا ہے اور وہ کام ہماری ایڈکشن بن جاتے ہیں۔ لت۔ نشہ۔ کیوں ہیروئن ایڈکٹ یا شرابی یا انٹرنیٹ پہ غلط چیزیں دیکھنے والے ان عادتوں کو چھوڑ نہیں پاتے؟ کیونکہ ان کے اعضاء وہ کام کرتے وقت پیشانی کو Skip کر دیتے ہیں۔ وہ اس کو سوچتے نہیں۔ اس سے پوچھتے نہیں۔ اس بات کو پراسیس ہی نہیں کرتے۔ اس کو Compulsive رویہ کہا جاتا ہے۔ بنا سوچے سمجھے عادتاً کر ڈالے جانے والا عمل۔"

"تم کہنا چاہتے ہو کہ میں Compulsive liar ہوں؟" وہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"جی تالیہ۔" اس نے گہری سانس لی۔ "آپ کو کہانیاں گھڑنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ آپ بلاضرورت جھوٹ بول دیتی ہیں۔ اب وان فاتح کو آپ سچ بھی بتا سکتی تھیں مگر آپ کو لگتا ہے کہ سچ کوئی سمجھے گا نہیں۔ سب Compulsive liars کو یہی لگتا ہے۔ یہ بزدلی ہے۔ سچ بہادری ہے۔ خود اعتمادی ہے۔ ایڈکشن کا بہترین حل وِل پاور استعمال کرنا ہے' ہر بار پیشانی (اس نے ماتھے پہ انگلی سے دستک دی) کے سامنے معاملہ رکھنا ہے اور اس معاملے پہ سوچنا ہے۔ نفع نقصان۔ پھر اس کو کرنا ہے۔ خود کو غلط کاموں سے روکنے کا یہی

طریقہ ہے۔اگر آپ چاہتی ہیں کہ اپنی اس عادت کو بدلیں تو آپ کو اپنی فرنٹل لوب کو استعمال میں لانا ہوگا۔''

''یعنی میں جو بھی کرلوں' آخر میں تم دونوں کے نزدیک میں ایک جھوٹی اور بددیانت چور ہی رہوں گی؟ تھینک یو'ایڈم۔'' دکھ اور غصے سے بولتی وہ پلٹی اور تیز تیز ایک طرف بڑھ گئی۔ایڈم گہری سانس لے کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اہ اندھیر گلی میں آگے بڑھتی جارہی تھی اور اس کے سنہری بال ہُڈ سے نکل کے اُڑ اُڑ رہے تھے۔

☆......☆......☆

چار عربی نسل گھوڑوں کا وہ مختصر سا قافلہ ملاکہ کی گلیوں میں آگے بڑھ رہا تھا۔پچھلے تین گھوڑوں پہ غلام سوار تھے اور پہلے کی لگام وان فاتح نے تھام رکھی تھی۔اس پہ فربہی سا پھولے گالوں والا وانگ لی سوار تھا۔لمبے بال چوٹی صورت بندھے تھے اور رات کے اس پہر بھی چہرے کی چکنی جلد چمک رہی تھی۔وہ گاہے بگاہے لگام تھامے' نئے غلام کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

فاتح کا چہرہ سپاٹ تھا' اور وہ مشینی انداز میں سارے کام سرانجام دے رہا تھا۔اس کے انداز میں وانگ لی کے لئے شناسائی کی کوئی رمق تک نہ تھی۔

گلی کے وسط میں پہنچ کے وانگ لی نے گھوڑا رکوادیا تو فاتح نے نظر اٹھائی۔

سامنے ایک بڑا سا پھاٹک تھا۔سرخ پھاٹک۔اس کا سانس لمحے بھر کو تھم گیا۔

تین خزینوں کا مسکن۔سن باؤ کا گھر۔

وہ نئے دور سے مختلف تھا۔نئے دور میں اس گھر کا دروازہ عصرہ نے بنوایا تھا اور سامنے گلی تھی اور گلی کے دوسری طرف دکانوں کی قطار۔ مگر اس قدیم دور میں سن باؤ کے گھر کے سامنے کا علاقہ کئی کوس دور تک خالی سبزہ زار پہ مشتمل تھا۔دور درختوں کے جھنڈ بھی نظر آتے تھے۔اس گھر کے ساتھ قطار میں ایسے دوسرے کئی گھر بھی بنے تھے اور وہ سب نئے دور سے بڑے نظر آتے تھے۔

سن باؤ گھوڑے سے اترا تو فاتح نے لگام چھوڑ دی۔دو غلام گھوڑے لئے پلٹ گئے۔فاتح اور ایک غلام اس کے ساتھ اندر آئے ۔دروازہ عبور کیا تو سامنے راہداری سی تھی۔وہ بالکل گم صم سا ادھر ادھر دیکھتا راہداری سے گزر کے اندرونی برآمدے تک آیا جس کے آگے چوکور صحن بنا تھا۔

دوسرے غلام نے جلدی جلدی چند مشعلیں روشن کیں تو اندھیرے میں اجالا سا ہوگیا۔سن باؤ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔اور وہ .....وہ برآمدے میں مبہوت سا کھڑا ہر شے کو دیکھ رہا تھا۔

برآمدے میں آتش دان کے ساتھ خالی کرسی رکھی تھی۔ایسے ہی عصرہ نے نئے دور میں رکھی تھی۔صحن کے ایک کونے میں کنواں بنا تھا اور دوسرا کونا.....فاتح کی نظریں اس طرف گئیں۔وہ خالی تھا۔

وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا صحن کے وسط میں آ رکا۔ کوئی طلسم سا تھا اس گھر میں۔ یہ اس کے گھر جیسا بالکل نہ تھا۔ رنگ روغن، فرنیچر، پودے سب مختلف تھے، مگر یہ اس کے گھر جیسا ہی تھا۔ ویسا ہی پرفسوں اور پراسرار۔

''فاتح بن رامزل نام ہے تمہارا؟''

وہ بے ساختہ پلٹا۔ برآمدے کے ستون کے ساتھ سن باؤ آ کھڑا ہوا تھا۔ لبوں میں سگار دبائے وہ دیا سلائی سے اس کو سلگا رہا تھا۔

''جی، مالک!'' اس نے سر کو خم دیا، مگر نظر نہ جھکائی۔ یہ اس کا جھک کے بھی نہ جھکنے والا انداز تھا جو ہر دفعہ کی طرف سن باؤ کو آج بھی بہت اچھوتا لگا تھا۔

''جانتے ہو تمہیں اتنی قیمت دے کر کیوں خرید لایا ہوں؟''

''نہیں جانتا، مالک۔''

سن باؤ نے گہرا کش بھرا اور سگار باہر نکال کے تاروں بھرے آسمان کو دیکھتے ہوئے منہ سے دھواں چھوڑا۔

''کیونکہ تم نے میری جان بچائی تھی۔ اللہ فرماتا ہے، احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کیا ہو سکتا ہے بھلا؟''

''میں شکر گزار ہوں، مالک۔''

سن باؤ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ سگار کا کنارا سرخ دہکتا رہا۔

''تم نے مجھے مطلع کیا تھا کہ میرے شوربے میں زہر ہے۔ مجھے تمہاری اس وفاداری کی خصلت نے متاثر کیا اور میں تمہیں یہاں لے آیا۔ اب مجھے بتاؤ، کہ ابوالخیر مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا؟ اور یہ سب اس کی ایماء پہ ہوا تھا نا؟''

''مالک، میں نہیں جانتا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' غلام سپاٹ کھڑا تھا۔

سن باؤ نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''تم نے مجھے زہر کے بارے میں مطلع کیا تھا، اور....''

''میں اپنے سابقہ مالک کی کوئی برائی آپ سے بیان نہیں کروں گا، مالک۔ یہ میرے آداب کے خلاف ہے۔''

سن باؤ نے گہری سانس لی اور افسوس سے اسے دیکھا۔ ''میں نے تمہیں سونے کا ایک ڈھیر دے کر خریدا، اور تم نے پہلی ہی رات میری حکم عدولی کر دی۔ انجام جانتے ہو اس کا؟''

وہ کنویں کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس تاریک قدیم صحن میں۔ اس بات پہ ہلکا سا مسکرایا۔

''وفاداری! آپ نے کہا آپ کو میری وفاداری نے متاثر کیا، مالک۔ جبکہ آپ کی جان بچانے کا عمل انسانی ہمدردی کے زمرے میں آتا ہے۔ اور جو بھی آپ نے سب کہا، وہ حکم نہیں، امتحان تھا۔ آپ میرا امتحان لے رہے تھے اور میں اس امتحان میں پورا اترا ہوں۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ جانچ رہے تھے کہ آیا میں اپنے سابقہ مالک کی برائی بیان کروں گا یا نہیں۔ تو جو وفاداری آپ کو میری پیشانی پہ ثبت نظر آئی تھی، جس کو پڑھ کے آپ نے مجھے خریدا' اس وفاداری کو ہلکا مت جانیے۔ اگر آج سابقہ مالک کی برائی نہیں کرسکتا تو کل کو آپ کی بھی نہیں کروں گا۔ آپ مجھے وفا کے ہر امتحان میں پورا پائیں گے۔''

سن باؤ برآمدے سے ایک قدم نیچے اترا تو چہرہ آدھے چاند کی چاندنی میں روشن نظر آیا۔ اس پہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

''میری قیافہ شناسی (چہرے پڑھنا) کبھی غلط نہیں ہوتی۔ فاتح' مجھے خوشی ہے کہ میں نے درست انتخاب کیا ہے۔ اب تم سو جاؤ۔ صبح نمازِ فجر کے بعد سے کام شروع کرنا ہوگا تمہیں۔''

وہ مڑنے لگا تو فاتح بول اٹھا۔

''آپ ایک عظیم آدمی ہیں' مالک۔''

فربہی چینی سفارتکار ٹھہرا اور پلٹ کے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''تم مجھے کتنا جانتے ہو۔''

غلام سادگی سے مسکرایا۔ ''آپ ایک جنگی قیدی کے طور پہ چینی شاہ کے دربار میں لائے گئے تھے۔ وہاں آپ کو غلام (تائی ژان) بنایا گیا تھا۔ آپ نے برسوں شاہِ چین کی خدمت کی۔ آپ شاہ کے وفادار غلام ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی بیٹی یان سوفو کو شادی کے لیے رخصت کرتے وقت بھی شاہ نے آپ کو ان کے ساتھ بھیجا۔ آپ ملک ملک گھومے ہیں' اور چائے کے جنگلات سے آپ کو عشق ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے سات بحری سفر کیے ہیں جو تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے۔''

''چھے....میں نے چھے سفر کیے ہیں۔''

فاتح ٹھہر گیا۔ رات ایک دم سوگوار ہوگئی۔

''آپ ساتواں بھی کریں گے' مالک۔''

''اچھا؟ مجھے تو سمندر میں اترے زمانے بیت گئے۔ تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے؟''

''مجھے بھی پیشانی کی لکیروں میں چھپا مستقبل پڑھنا آتا ہے۔ مگر میں چاہوں گا کہ آپ وہ ساتواں سفر کبھی نہ کریں۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔

''ان سوالوں کے جواب نہیں پوچھنے چاہئیں جو اگر ہمیں معلوم ہو جائیں تو برے لگیں ہمیں۔''

سن باؤ اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ''مجھے زمانے ہوئے ایک بھکشو نے کہا تھا کہ مجھے سمندری سفر نہیں کرنے چاہئیں۔ اس دنیا میں میرا آخری سفر بھی سمندر میں ہوگا جہاں سے میں کبھی واپس نہیں آؤں گا۔ کیا واقعی ایسا ہوگا؟''

فاتح نے جواب نہیں دیا۔خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ہاتھ کمر پہ باندھے تھے اور آنکھوں میں سارے جواب تحریر تھے۔

''مگر خیر.....تمہیں مستقبل کا کیا علم!'' سن باؤ نے مسکرا کے سگار پھینکا' انگارے کو جوتے سے مسلا اور پھرادھرادھر طائرانہ نظر ڈالی

۔''تم کوئی بھی کونا لے سکتے ہو۔سوائے اس برآمدے اور میرے کمرے کے' سارا گھر اپنا ہی سمجھو۔''

وان فاتح نے گردن اٹھا کے بالائی منزل کے اس کمرے کی کھڑکی کو دیکھا جو صحن میں کھلتی تھی۔

''وہ اوپر والا کمرہ....وہ میرا ہوگا۔''

''وہ؟'' سن باؤ نے تعجب سے ابرو اچکائے۔''وہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہے اور اسے صاف کرنے کی ضرورت.....''

''وہ میرا ہے' مالک۔مجھے وہی کمرہ چاہیے۔''ادب سے اس کی بات کاٹی تو وانگ لی نے شانے اچکائے۔

''جیسے تمہاری مرضی' فاتح!'' اور پلٹ گیا۔اب وہ ہلکا ہلکا زیرِلب کوئی چینی دھن گنگناتا اندر کی طرف جارہا تھا۔

تاریک صحن میں وہ کنویں کے ساتھ کھڑا اس قدیم خاموشی کو محسوس کرتا رہا۔

صحن کا دوسرا کونا خالی تھا۔

صاف' ہموار۔

وہاں کوئی مجسمہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر فجر کی نماز کے ساتھ ہی جاگ اٹھتا تھا اور بازار کھل جاتے تھے۔محل میں بھی کام شروع ہوجاتے۔شاہی مکین تیار ہو کے اپنی خواب گاہوں سے نکل آتے اور اپنے اپنے دربار سجالیتے۔یہاں زندگی سورج کی روشنی کی محتاج تھی۔سورج جیسے جیسے سوا نیزے پہ پہنچتا' مصروفیت عروج پہ جا پہنچتی۔

''سلطنت محل'' میں سلطان کا دربار سجا تھا' اور مرسل شاہ تخت پہ براجمان نیم دلی سے مراد راجہ کو سن رہا تھا جو نئے حکم نامے اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔درباری وزراء مرعوبیت اور حسد سے مراد راجہ کو دیکھ رہے تھے جو سلطان کے بائیں ہاتھ کھڑا' ساری طاقت کا منبع لگ رہا تھا۔یہ معمول کی کارروائی تھی اور ہر روز کی طرح جاری وساری تھی۔

باہر محل کے پائیں باغ میں ملکہ یان سوفو اپنی کنیزوں کی معیت میں تیز تیز چلتی جارہی تھی۔بڑا سا تاج پہنے' وہ سولہ سنگھار سے آراستہ تھی۔البتہ مزاج برہم لگتا تھا۔

سامنے سے تین افراد آتے دکھائی دیے تو ملکہ رک گئی۔وہ تینوں قریب آئے اور جھک کے اسے تعظیم پیش کی۔پھر ادھیڑ عمر آدمی جو کہ محل کا طبیب تھا' سر اٹھا کے کہنے لگا۔

''ملکہ.... میں سلطنت محل کا پرانا طبیب ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ بے زاری سے بولی۔ ''کیا میرا چینی طبیب ملا ہے آپ کو؟''

''جی ملکہ۔ وہ حاضر ہوا تھا اور اس نے وہ ٹوٹکا بتایا ہے جس سے چینی شاہ تندرست ہو سکتے ہیں۔'' رکا اور ٹھہر کے بولا۔ ''اس کے خیال میں۔''

یان سوفو کی خوبصورت پیشانی پہ بل پڑا۔ ''یہ آزمودہ ٹوٹکا ہے۔ آپ سلطان کے غسل کا پانی اکٹھا کریں اور اسے میرے طبیب کو دیں تا کہ وہ چین لے جائے اور میرے بابا کا علاج کر سکے۔ یہ کام ابھی تک ہوا کیوں نہیں ہے؟''

بوڑھے طبیب نے گہری سانس لی۔ ''معذرت ملکہ' مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے اس ٹوٹکے کی افادیت من گھڑت لگتی ہے۔ سلطان کا غسل کا پانی سلطان پہ جادو ٹونے کرنے کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ ہم کسی اور کی جان بچانے کے لئے سلطان کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

یان سوفو نے لب بھینچے۔ چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''یہ میرے بابا کی صحت کا سوال ہے۔ آپ میری حکم عدولی کیسے کر سکتے ہیں۔''

''ملکہ میرا کام سلطان کو درست مشورہ دینا ہے۔ ماضی میں بھی طبیب کا قول اس محل میں سلطان کے قانون سے بھی اوپر رہا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں مگر میں آپ کے چینی طبیب کے ٹوٹکے پہ سلطان سے عمل نہیں کروا سکتا۔ ملاکہ کے قانون کے مطابق طبیب کی بات حرفِ آخر ہوتی ہے' اور اسے قاضی وقت بھی نہیں بدل سکتا۔'' ہاتھ باندھے' وہ ملکہ کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کے انداز میں ایک ڈھکا چھپا استہزاء تھا۔

یان سوفو نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ ''آپ کو اپنا قول بدلنا ہوگا' طبیب!''

''سلطنت محل کے طبیب اپنے اقوال نہیں بدلا کرتے' کیونکہ وہ مریض کی بہتری کو مقدم رکھتے ہیں۔ چاہے طبیب کا سر ہی کیوں نہ کٹوا دیا جائے۔'' وہ ہٹ دھرم تھا۔

یان سوفو کو ایک دم اپنا آپ بہت بے بس لگا۔ اس نے طبیب کے ساتھ کھڑے معالجوں کے چہروں کو دیکھا۔ وہ سب ملے تھے۔ ملے نقوش والے اجنبی لوگ۔ اور وہ چینی تھی۔ وہ ان میں غیر تھی۔ اس کے حلق میں آنسو گرنے لگے۔ پرایا ملک۔ پرایا محل۔ یہ سب اس کے لیے اجنبی تھا۔ آخر کیوں شاہِ چین نے شادی کر کے اس کو یہاں بھیج دیا؟ وہ اب کیسے رہے گی یہاں؟

آہ.... ہم شہزادیوں کی سیاسی' ناخوش شادیاں۔ اسے خود پہ ترس آیا۔

''آپ نے درست فرمایا' طبیب صاحب۔'' آواز پہ وہ سب چونکے۔ یان سوفو نے گردن موڑی۔

تالیہ مسکراتی ہوئی' کامدار لباس پہلوؤں سے اٹھائے' چلی آ رہی تھی۔ اپنی کنیزوں کو دور کھڑا کیے' وہ تنہا قریب آئی تھی' اور ان

دونوں کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ طبیب نے چونک کے اسے دیکھا' اور یان سوفو... اس کے کان سرخ ہونے لگے۔ وہ کم از کم بنداہارا کی بیٹی کے سامنے اپنی بے بسی کا تماشہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''شہزادی!'' طبیب نے تعظیم پیش کی۔ یان سوفو نے صرف اسے گھورا۔

''آپ نے درست فرمایا طبیب صاحب۔'' مسکراتے ہوئے تالیہ نے بات جاری رکھی۔ سنہرے بالوں پہ سجا تاج اور اس کی آنکھیں دونوں چمک رہی تھیں۔ ''آپ کا سر بھی کٹ جائے تو آپ کو اپنا قول نہیں بدلنا چاہیے۔''

یان سوفو نے دانتوں پہ دانت جما لئے۔ مٹھیاں سختی سی بھینچ لیں۔ یہ بے بسی.... یہ لاچاری۔

''لیکن اگر تنخواہ کٹ جائے تو؟'' سنہری لٹ کو انگلی سے پیچھے کرتے شہزادی تاشہ نے سوال پوچھا تو طبیب چونکا۔

''میں سمجھا نہیں' شہزادی۔''

تالیہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور چہرے پہ ایک دم برہمی آ گئی۔

''چینی شاہ کی بیٹی.... ملاکہ کی ملکہ.... یہاں کھڑی ہو کے صرف ایک بیٹی کی حیثیت سے آپ سے سوال کر رہی ہے کہ آپ اس کے والد کی جان بچائیں اور آپ اس کو جواب میں قانون کی شقیں پڑھا رہے ہیں؟''

وہ غرا کے بولی تو طبیب نے ادب سے نظریں جھکائیں۔ یان سوفو کی مٹھیاں ڈھیلی پڑیں۔ وہ گم صم سی تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔

''صرف اس لئے کہ ملکہ کی شکل آپ سے مختلف ہے' آپ اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کے ملکہ کو اذیت دینا چاہ رہے ہیں؟''

وہ طبیب کے جھکے چہرے پہ نظریں جمائے پھنکار رہی تھی۔

''اگر بات قانون کی ہے' تو خاص مشیر کا عہدہ طبیب کے عہدے سے بڑا ہے۔ میں سلطان کی خاص مشیر ہوں۔ ابھی ابوالخیر کو حکم جاری کر سکتی ہوں کہ آپ کی تنخواہ آدھی کاٹ دی جائے۔ اور یقین کریں' میں دلیل کے طور پہ ایسے اعداد و شمار دکھا سکتی ہوں جو یہ ثابت کریں گے کہ آپ حق سے بڑھ کے تنخواہ لے رہے ہیں۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔ میں آپ کو ایک دوسرا موقع دوں گی۔''

پھر ملکہ کی طرف اشارہ کر کے تحکم سے بولی۔

''ملکہ سے معافی مانگیے اور اپنا سر ان کے حکم کے آگے جھکا دیجئے۔ نہ صرف آپ کی تنخواہ اور مراعات بڑھیں گی' بلکہ عزت بھی دگنی ہو جائے گی۔''

یان سوفو کے چہرے کی سرخی زائل ہو چکی تھی۔ وہ بس تالیہ مراد کا چہرہ تک رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ سانس روکے۔ بنداہارا کی بیٹی ابھی تک طبیب سے مخاطب تھی۔ جس کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا' دوسرا جا رہا تھا۔

''کیونکہ اگر آپ نے انکار کیا تو میں قاضی وقت کے پاس فتویٰ لینے جاؤں گی کہ آپ منکرِ حدیث ہیں۔ نظر لگنے کا علاج حدیثِ

پاک ﷺ میں نظر لگانے والے کے غسل کے پانی سے کیے جانے کا ذکر ملتا ہے۔ جائیے' طبِ نبوی کی کتابیں کھولیے' اور پڑھیے۔ چینی ٹوٹکا ہماری حدیث سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ملکہ نے آپ سے چند بوندیں پانی کی ہی تو مانگی ہیں۔ یہ سوچ کے انکار مت کیجئے کہ ملکہ تنہا ہیں۔ اگر آپ نے' یا اس محل میں کسی ملے عہدیدار نے....." اردگرد نظر دوڑا کے اونچی آواز میں بولی۔ "دوبارہ کسی چینی عورت کو تنہا جان کے اس پہ ظلم کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا' ملاکہ میں رہنے والی ہر چینی عورت اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوگی' مجھ سمیت۔" سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "کیونکہ میری ماں بھی چینی تھی اور میں نے بھی چین میں پرورش پائی ہے۔"

"مجھے معاف کر دیجئے' ملکہ۔" طبیب فوراً جھکا اور ملکہ کے جوتوں پہ ہاتھ رکھ دیے۔ "میری جان لے لیجئے مگر آئندہ حکم عدولی نہیں ہوگی۔"

یان سوفو نے قدموں میں جھکے طبیب کو نہیں دیکھا۔ وہ بس گردن موڑے یک ٹک تالیہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر لبوں کو جنبش دی۔

"جاؤ' حمام کا انتظام کرواور پانی بھجواؤ۔" گم صم نظریں اب بھی تالیہ پہ جمی تھیں۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ پراعتماد' پرسکون' نارمل سی۔

وہ سب دور چلے گئے اور کنیزیں پیچھے ہٹ گئیں تو سن سی کھڑی یان سوفو نے اسے پکارا۔

"اس سب کا کیا مقصد تھا؟"

تالیہ پوری کی پوری اس کی طرف گھومی۔ تاج سے نیچے اس کے سنہری بال ہلکی ہوا سے کندھوں پہ جھول رہے تھے۔ اور چہرے پہ سادہ سی مسکراہٹ تھی۔

"میں آپ کو یہ بتا رہی تھی' ملکہ کہ میری ماں واقعی چین کی تھی اور میں نے چین میں ہی پرورش حاصل کی ہے' کیونکہ جب چینی کوتوال کے مراسلے خالی نکلیں تو شک لازمی پڑتا ہے۔"

یان سوفو بالکل دھک سی رہ گئی۔ لب کھل گئے۔ تالیہ نے لباس سے ایک سرخ ریشم میں لپٹا رول شدہ کاغذ نکالا۔

'یہ وہ مراسلہ ہے' جو چینی کوتوال نے آپ کے نام بھیجا تھا۔ آپ کا آدمی واپسی پہ جس سرائے میں ٹھہرا' وہاں میرے آدمی نے مراسلے بدل ڈالے۔ میں اصلی مراسلہ لے کر آپ کے پاس آئی ہوں۔ آپ کو دو باتیں بتانے۔"

وہ مراسلہ یان سوفو کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔ اور یان سوفو بالکل بت بنی کھڑی تھی۔

"کوئی بھی رشتہ' کوئی بھی تعلق' غلط پیر پہ نہیں شروع ہونا چاہیے۔ اس میں ہمیشہ سو فیصد سچائی ہونی چاہیے۔ اس لئے یہ خط میں خود آپ کو پیش کرتی ہوں۔ اس کو کھول کے پڑھ لیں' یا چاہیں تو اس کو کھولے بنا میری دوسری بات سن لیں۔"

"بولو۔" وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔ سوا نیزے پہ آئے سورج تلے وہ دونوں باغ میں آمنے سامنے کھڑی تھیں۔

"میں.... آپ کی.... دشمن... نہیں ہوں۔ میں مرسل شاہ کو آپ سے دور نہیں کرنا چاہتی۔ میں مرسل شاہ کو صرف راجہ مراد سے دور کرنا چاہتی ہوں۔ میں ان کو ایک مضبوط اور طاقتور سلطان بنانا چاہتی ہوں۔ میرا اور آپ کا دشمن ایک ہی ہے' اور وہ ہے راجہ مراد۔"

"اور تم راجہ مراد کی بیٹی ہو۔"

"تو پھر وہ مجھے سن باؤ کے گھر کھانے پہ کیوں نہیں لے کر گیا؟ پھر وہ مجھ سے ڈرتا کیوں ہے؟ اس نے کیوں اتنے سال مجھے خود سے دور رکھا۔ اور اس کی مرضی کے خلاف میں واپس کیوں آئی ہوں۔"

یان سوفو بھنویں اکٹھی کیے اسے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"میں نے ابوالخیر کو خزانچی اس لئے بنایا تاکہ سن باؤ کو ہم سرکاری عقابوں کی نظروں سے محفوظ الگ تھلگ رکھ سکیں گے۔ سن باؤ اس سے بڑے کاموں کا اہل ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے دوسرے کام لے سکتے ہیں۔"

"ہم؟" یان سوفو کا ذہن اس ایک لفظ پہ اٹک گیا۔

"جی ملکہ۔ اگر آپ اس خط کو پڑھے بغیر جلا ڈالیں تو میں اور آپ 'ہم' ہو سکتے ہیں۔ دو چینی عورتیں..... اور مقابل ہو گا سارا ملاکہ۔" وہ رول ملکہ کی طرف بڑھائے، مسکرا کے بولی تو یان سوفو نے ایک نظر خط پہ ڈالی۔

"کیا تم نے پڑھا ہے کہ کوتوال نے تمہارے بارے میں کیا لکھا ہے؟"

"مجھے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے ملکہ۔ میں خود کو اچھے سے جانتی ہوں۔ وہ مجھے مجھ سے بہتر نہیں جان سکتا۔"

"اور دوسری بات کیا تھی؟"

تالیہ کی مسکراہٹ مزید زخم زدہ ہوئی۔ "میں جہاں سے آئی ہوں، تھوڑے عرصے بعد وہاں واپس چلی جاؤں گی۔ میں واپس جانے کے لئے آئی تھی۔ ملاکہ سے ایک چیز لے کر جانے کے لیے۔ کیونکہ میری دنیا، میری زندگی، اور میری محبتیں، وہ سب وہاں ہے۔ یہاں میرا کچھ بھی نہیں ہے۔"

یان سوفو کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے ابرو اٹھائے۔ "تم محل کے عیش و آرام چھوڑ کے اپنے گاؤں چلی جاؤ گی؟"

"میرے 'گاؤں' میں محل نہیں ہیں، گھر ہیں۔ وہاں میں شہزادی نہیں ہوں، عام لڑکی ہوں۔ مگر میری محبتیں اور یادیں وہیں ہیں۔ وہاں کوئی ایسا تھا جس پہ میں نے دل ہارا تھا، اور مجھے اسی کے لئے واپس جانا ہے۔"

یان سوفو کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔ "تو کیا وہاں تم کوئی محبوب چھوڑ کے آئی ہو؟" پہلی دفعہ اس کے لہجے میں نرمی گھلی۔

تالیہ نے اداسی سے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "جی ملکہ۔ ایک آدمی تھا۔ مجھے اتفاق سے ملا تھا۔ وہ جو میری طرف دیکھتا بھی نہیں تھا۔ (آنکھوں میں تنکو کامل کے نیم روشن ڈرائنگ روم کا منظر جاگا۔ وہ جھک کے اسے جوس پیش کر رہی تھی۔) وہ جو میرا نام بھول جایا کرتا تھا۔ (وہ سرخ لباس میں آرٹ گیلری کے آفس میں عصرہ اور اشعر کے ساتھ کھڑی تھی اور وہ اسے تاشہ کہہ کے پکار رہا تھا۔) وہ جو میرے جیسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ (وہ ڈائننگ ٹیبل کے مخالف سروں پہ بیٹھے بات کر رہے تھے اور گھائل غزال میز پہ رکھی تھی۔) وہ جو

مجھے بلاوجہ ڈانٹ دیا کرتا تھا۔(وہ لائبریری میں کھڑی تھی اور فاتح ورزش کے لباس میں تولیے سے گردن پونچھتا' اسے تلخی سے کچھ کہہ رہا تھا ۔) مجھے اس کا وہی روپ پسند تھا۔اور مجھے وہی واپس چاہیے۔" اور پھر دونوں ہاتھوں میں رول ملکہ کی طرف بڑھایا۔

"آپ اپنے تجسس کی تکمیل چاہتی ہیں یا خوابوں کی؟ فیصلہ آپ کا ہے۔"

یان سوفو چند لمحے اس سرخ رومال کو دیکھتی رہی' پھر اسے اٹھالیا اور مڑ گئی۔اب وہ تیز تیز اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔تالیہ وہیں کھڑی رہی' بازو سینے پہ لپیٹ لئے اور اسے جاتے دیکھتی رہی۔

برآمدے میں داخل ہوتے ہی یان سوفو دیوار پہ لگی مشعل کی طرف بڑھی اور سرخ رومال میں لپٹا کاغذ اس میں جھونک دیا۔ پھر ساتھ رکھی دیا سلائی سلگائی اور مشعل کا شعلہ بھڑکا دیا۔آگ کی لپٹوں نے ریشم کو فوراً اپنی لپیٹ میں لے لیا۔کاغذ اور کپڑا دونوں جلنے لگے۔

یان سوفو برآمدے کے سرے پہ آرکی اور فاتحانہ نگاہوں سے دور کھڑی تالیہ کو دیکھا۔بنداہارا کی بیٹی مسکرائی اور سر کو پورا جھکا کے اٹھایا۔

ملکہ کی گردن مزید تن گئی۔وہ عرصے بعد خود کو بہت مضبوط محسوس کر رہی تھی۔

وہ اکیلی کچھ نہیں کر سکتی تھی۔اسے ایک دوسری عورت کا ساتھ چاہیے تھا۔

"اس کاغذ میں کیا تھا؟ آخر کوتوال نے آپ کے بارے میں لکھا کیا تھا' چے تالیہ؟" اس دوپہر ایڈم نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔وہ دونوں سادہ چغوں میں ملبوس ملاکہ کے بازار میں بھیس بدلے چل رہے تھے۔

"کاغذ خالی تھا۔ملکہ کی ایک کنیز نے شریفہ کو بتا دیا کہ ملکہ ملازم کو چین بھیج رہی ہے میرے تعاقب میں تو ہم نے اس ملازم کو خرید لیا۔وہ چین گیا ہی نہیں۔وہ کوتوال سے ملا ہی نہیں۔دونوں کاغذ خالی تھے۔"

"تو آپ نے ملکہ کو بےوقوف بنایا؟"

"نہیں ایڈم' میں نے ملکہ سے سچ بولا۔میں نے اس کو اپنی طاقت بھی دکھائی' اور اپنی کمزوری بھی۔وہ سمجھ گئی تھی کہ دوسرے کاغذ میں بھی کچھ نہیں ہوگا اور اگر ہے بھی تو وہ میرے جیسی طاقتور حلیف سے بڑھ کے نہ ہوگا۔اور اسے یہ تسلی بھی ہوگئی کہ میں مرسل شاہ کو اس سے چھیننے نہیں آئی ہوں۔اس لئے اس نے بہتر فیصلہ کیا۔"

وہ دونوں اب بازار کے درمیان سے گزر رہے تھے۔صاف چہرے' سادہ کپڑے اور چہروں پہ ٹوپی کا سایہ' وہ بھیس بدل کے عام لوگ نظر آتے تھے۔بازار کی گہما گہمی اور رش عروج پہ تھا' پھر بھی خاموشی سے محسوس ہوتی تھی۔نہ ٹریفک کا ہارن' نہ موسیقی کی آوازیں۔کوئی مقدس خاموشی تھی جو اس دنیا میں جانے کتنی صدیوں سے تھی۔

ایک دکان کے سامنے قہوہ چائے کے لئے کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔وہ وہیں بیٹھ گئے۔ایڈم نے چائے منگوالی اور پھر خاموشی سے اسے دیکھنے لگا جو بےزار سی بیٹھی ایک طرف چہرہ موڑ کے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کل رات سے خاموش خاموش ہیں۔ اور پھر آپ نے آج یان سوفو کو حلیف بنا لیا۔ کیا اس سب کا تعلق فاتح صاحب کی باتوں سے ہے؟''

تالیہ نے سرد مہری سی نظریں اس کی طرف موڑیں۔ ''میں ان کے لئے ایک جھوٹی اور بددیانت لڑکی تھی اور رہوں گی۔ کل رات جو انہوں نے میرے ساتھ کیا' اس کے بعد میں اپنی زندگی کی ترجیحات خود سیٹ کر رہی ہوں' ایڈم۔ وہ اب اپنے فرار کا راستہ خود ڈھونڈیں گے۔ نہ میں ان پہ انحصار کروں گی' نہ وہ مجھ پہ۔ کل ہم الگ ہو گئے تھے۔''

''اور میں؟ میں کس گنتی میں ہوں بھئی؟'' اس نے منہ بسورا۔

''تم مورخ ہو' تاریخ لکھو۔ تاریخ بنانے کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔'' وہ خفگی سے بولی۔ بیرا چائے لے آیا تو اس نے شیشے کی نازک پیالی اٹھا لی اور گرم گرم گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ ان سے ناراض ہیں' ٹھیک ہے۔ مگر مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ کیا ان باتوں کی وجہ سے جو میں نے کل آپ سے کہیں؟'' ساتھ ہی اپنی پیشانی پہ انگلی رکھی' جیسے باتوں کا موضوع یاد دلایا ہو۔

تالیہ نے ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ ''تم نے درست کہا تھا۔ جو لوگ اپنی فرنٹل لوب کو استعمال نہیں کرتے' وہ ایڈکٹ ہو جاتے ہیں۔ ڈرگز' غلط چیزوں اور جھوٹ کے۔ مگر کچھ لوگ سچ کے بھی ایڈکٹ ہوتے ہیں۔ وہ پیشانی سے سوچے بغیر دوسرے کے جذبات احساس کیے بغیر' اگلے کو جج کر کے نصیحت شروع کر دیتے ہیں۔ ایڈکشن ہر چیز کی غلط ہوتی ہے' ایڈم۔ بھاشن دینے کی بھی۔ سچ بولنے کی بھی۔'' خالی پیالی میز پہ دھری اور خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔ ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اس نے اپنی پیالی رکھی' اور اپنا دستہ کھول لیا۔ دوات نکالی اور قلم اس میں ڈبو ڈبو کے لکھنے لگا۔

''اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے' آپ کا ہر واقعہ اتنا بڑھا چڑھا کے لکھنا پڑتا ہے کہ بس! اور شاہی مورخ کے طور پہ مجھے ہر جمعے کے روز یہ صفحات دربار میں سنانے ہوتے ہیں' اور پھر ان کو شہر کے تمام کتب خانوں میں پہنچانا ہوتا ہے تاکہ ان کو محفوظ کیا جائے اور ملک بھر میں ان کی نقول لکھ لکھ کے بھیجی جائیں۔ یہ کتاب ایک قسط وار ناول کی طرح ہے' جس کو ہر ہفتے پڑھا جاتا ہے۔ اور یہ ہم اس ہفتے سے چین اور پرتگال بھی بھیجیں گے جہاں....'' لکھتے لکھتے اسے احساس ہوا کہ وہ خاموش ہے تو سر اٹھایا۔

تالیہ گردن موڑے اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں کھڑکی سی بنی تھی اور اندر باورچی تھا۔ ایک آدمی سامنے کھڑا اس کو بارعب انداز میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے وزیرِ خزانہ ابوالخیر نے بھیجا ہے۔ اس ماہ کا محصول ادا کرو۔'' ساتھ ہی ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔

''یہ تو محمود مرنی ہے۔'' ایڈم نے سرگوشی کی۔ تالیہ خاموشی سے اس کو دیکھے گئی۔

''محصول میں دوگنا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ کیا سلطان کو ہم پہ ترس نہیں آتا؟'' باورچی احتجاجاً دبا دبا سا بولا۔ محمود مرنی آگے ہوا اور کہنیاں کھڑکی پہ رکھ کے جھکا۔

''میں ظاہر کروں گا کہ تمہاری یہ گستاخی میں نے سنی ہی نہیں ہے۔ اس لئے.... محصول دو!'' غراتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔ باورچی کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ چپ چاپ اندر گیا اور پھر واپس آ کے ایک بھاری تھیلی اس کے ہاتھ پہ رکھی۔ محمود نے تھیلی لی اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔

تالیہ فوراً اٹھی اور بظاہر عام سے انداز میں چلتی اس کے تعاقب میں ہو لی۔ وہ اب دوسری دکان کی طرف جا رہا تھا۔ وہ چغے کی ٹوپی میں چہرہ چھپائے' سینے پہ بازو لپیٹے' ایک دکان کے چھپر تلے کھڑی اس کو دیکھے گئی۔ چائے کی ادائیگی کر کے ایڈم بھی ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''یہ محمود مرنی کس چیز کے پیسے لے رہا ہے دکانداروں سے' چے تالیہ؟''

''محصول کے۔'' تالیہ کی سوچتی آنکھیں دکانوں پہ جمی تھیں۔

''محصول کیا ہوتا ہے؟''

''ٹیکس۔ گورنمنٹ ٹیکس۔ ملک کے ہر شخص سے یہ ٹیکس وصول کر کے ایک جگہ بھرا جاتا ہے۔ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ اور اس کو کہتے ہیں' قومی خزانہ۔''

(محمود اب دوسرے دکاندار سے رعب سے محصول مانگ رہا تھا۔)

''ہاں... یہ تو مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں ہی جاتے ہیں۔''

(محمود مرنی بڑے سے تھیلے میں ہر دکان سے چھوٹی چھوٹی تھیلیاں بھر کے اگلی دکان کی طرف بڑھ جاتا تھا۔)

''ہمارے ٹیکس قومی خزانے میں نہیں جاتے۔ بلکہ قومی خزانے میں ہوتے ہی ہمارے ٹیکس ہیں۔ اسی لئے تو قومی خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا کیونکہ لوگ تو ہر ماہ' ہر سال ٹیکس دے رہے ہوتے ہیں' ایڈم!''

(گلی کے آخر میں ایک بگھی کھڑی تھی۔ محمود تھیلا لئے اس تک آیا۔ سپاہیوں نے اندر رکھا صندوق کھولا اس نے ساری تھیلیاں اس میں الٹ دیں۔)

''مگر سیاستدان وغیرہ کہتے ہیں کہ قومی خزانہ خالی ہونے والا ہے۔ وہ سب کیا ہوتا ہے؟''

(کچھ دیر بعد بگھی ایک عمارت کے سامنے کھڑی تھی۔ وہاں صندوق نکالے گئے اور ایک بڑے کمرے میں لے جا کے رکھے گئے۔ جہاں ایسے کئی صندوق رکھے تھے۔ یہ وزارتِ خزانہ کا ایک کمرہ تھا۔)

''سیاستدان بادشاہ لوگ ہوتے ہیں۔ ان کا جھوٹ بولنے سے کیا جاتا ہے؟''

(صندوقوں کے کمرے میں اب چند افراد کھڑے ہر صندوق کا حساب کاغذوں پہ تحریر کر کے ان کو تالے لگا رہے تھے۔)

''تو یہ محصول قومی خزانے میں بھرنے کے بعد کہاں جاتا ہے؟''

(ایک عہدیدار اب وزیرِ خزانہ کی مہر والے حکم نامے دکھا کے چند صندوقوں کو مختلف گاڑیوں میں لادرہا تھا۔)

''اس سے حکومت کے اداروں میں تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ پولیس' فوج' عدلیہ وغیرہ کے دفتر اور تنخواہیں۔ اسی لئے سرکاری ملازم عوام کے ملازم ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کی تنخواہ taxpayer's money سے آتی ہے۔ اس کے علاوہ اس محصول سے سڑکیں' پل اور دوسرے ترقیاتی کام کیے جاتے ہیں۔ کیا تم نے اپنی کتابوں میں یہ سب نہیں پڑھا؟''

(صندوقوں سے بھری ایک گاڑی ابوالخیر کی حویلی پہنچ چکی تھی۔ محمود مرنی نے صندوق اتروائے اور انہیں بڑے کمرے میں پہنچادیا۔)

''مگر یہ تو آئیڈیل منظرنامے میں ہوتا ہے۔ ہمارے جیسے ملکوں میں کیا ہوتا ہے چے تالیہ؟''

(صندوقوں کے اوپر' تالیہ بنتِ مراد کی مسجد' کا نام درج تھا۔ ابوالخیر نے چار صندوقوں میں سے ایک کو الگ کیا' اس سے مسجد کی بنیادیں کھدوانے کا حکم دیا اور اس کو روانہ کر دیا۔)

''ہمارے جیسے ملکوں میں اس محصول کا تھوڑا سا حصہ ملک اور ملکی اداروں پہ خرچ کیا جاتا ہے۔ باقی سب مل کے کھاتے ہیں۔ ہر عہدیدار اس کے اندر سے اپنا حصہ الگ کرتا جاتا ہے۔ اسی کو کرپشن کہتے ہیں۔ جیسے جتنا مال ابوالخیر مسجد کے نام پہ نکلوائے گا' اس میں تھوڑا سا تعمیر کے لیے بھیجے گا۔ اور باقی خود رکھے گا۔''

(باقی تین صندوقوں سے اس نے اشرفیاں نکلوا کے لکڑی کے تین خاص صندوقوں میں بھریں۔ ایک خود رکھا اور دو صندوقوں کو گاڑی میں لادیا۔)

''یعنی ان غریب محنت کش لوگوں نے اعتماد کر کے ابوالخیر اور سلطان کو جو محصول دیا ہے' یہ حکمران اسی محصول کو اپنی دولت کی بڑھوتی کے لئے خرچ کرتے جاتے ہیں؟''

(اب وہ گاڑی بان کو رات کی تنہائی میں حکم دے رہا تھا کہ یہ صندوق شہزادی تاشہ کے محل خاموشی سے پہنچا دیے جائیں۔)

''ہاں' ایڈم۔ اسی لئے ملک کے حکمران صادق اور امین ہونے چاہییں تاکہ وہ اس محصول کی امانت کو نبھا سکیں۔ ابوالخیر کی طرح اپنی اور اپنے دوستوں کی دولت میں اضافہ نہ کریں۔''

(رات کی تاریکی میں وہ صندوق تاشہ کے محل میں لائے گئے اور خاموشی سے اس کی خواب گاہ میں رکھ دیے گئے۔)

''اچھا میں بچپن سے سمجھتا تھا کہ سیاستدان جو قومی خزانہ لوٹتے ہیں' یعنی جو کرپشن کرتے ہیں' وہ دراصل 'ملک' کا پیسہ ہوتا ہے۔ جیسے.... جیسے ملک میں کوئی خزانے کے کنویں ہوں جو بھرے ہوں اور بس اس کو وہ لوٹ رہے ہوں۔ اور میں سوچتا تھا کہ خیر ہے' اگر تھوڑی

بہت کرپشن سیاستدان کر بھی لیں تو چلو' ملک پہ خرچ بھی تو کر رہے ہیں ناوہ۔"

(ابوالخیراب اپنے دفتر میں بیٹھا کاغذوں پہ حساب کتاب تحریر کر رہا تھا۔ بنیادیں ڈلوانے کا خرچہ اس نے تین گنا بڑھا کے لکھا۔ جو کام ایک اشرفیوں سے بھرے صندوق سے ہو جانا تھا' اس نے اس کی قیمت تین گنا تحریر کی' اور دستخط کر دیے۔)

"ملک کا کوئی خزانے کا کنواں نہیں ہوتا' قومی خزانہ صرف محصول پہ مبنی ہوتا ہے۔ ملک کے لوگ اس کو بھرتے ہیں' اور بھرتے جاتے ہیں۔"

(اگلی صبح کاغذات کو تصدیق کے لئے بنداہارا کو بھیج دیا گیا۔ راجہ مراد نے مسکرا کے تفصیلات پڑھیں اور مہر لگا دی۔)

"یعنی جب سیاستدان کرپشن کرتے ہیں' تو دراصل وہ ہر غریب آدمی کی تنخواہ کا ایک حصہ چوری کر رہے ہوتے ہیں! یعنی ابوالخیر جو صندوق راجہ مراد کو بھیجتا ہے وہ اسی طرح مختلف فنڈز سے نکالا گیا حصہ ہوتا ہے۔"

(مسجد کی بنیادوں کے لئے دیا گیا فنڈ کاغذوں میں پورے کا پورا ایمانداری سے استعمال ہونا لکھا گیا اور کاغذ رجسٹر کی صورت الماری کی زینت بن گئے۔)

"بالکل اور تم مجھ جیسے چوروں کو ناپسند کرتے ہو جو صرف امیروں سے چراتے تھے؟ اصل چور تو یہ حکمران ہیں جو غریبوں سے چراتے ہیں۔"

ایڈم نے آنکھیں چھوٹی کر کے تالیہ کا چہرہ دیکھا۔"اس بات پہ میں اپنی رائے محفوظ رکھوں گا۔"

وہ ابھی تک ان دکانداروں کو دیکھ رہی تھی جو اپنی بقایا جمع پونجی گن رہے تھے۔

(وہ خالی میدان جہاں مسجد کی تختی لگی تھی....وہ خالی تھا۔ وہاں تھوڑی سی کھدائی کی گئی تھی۔ مگر ان کھوکھلی جڑوں پہ کوئی عمارت کھڑی نہیں کی جانی تھی۔ مسجد کے نام پہ قومی خزانے سے نکلوائے گئے چار صندوقوں میں سے ایک یہاں لایا گیا تھا۔ ایک ابوالخیر نے رکھا تھا اور دو اس نے تالیہ کو بھجوا دیے تھے۔

اسے کرپشن کہتے تھے۔

بدعنوانی۔)

☆......☆......☆

سن باؤ کے خوبصورت گھر پہ دوپہر اتری تھی۔ صحن میں لگے کنویں کی منڈیر پہ جھکا فاتح رسی سے ڈول باہر کھینچ رہا تھا۔ کرتے کی آستین اوپر چڑھائے' وہ پسینے میں بھیگا تھا مگر چہرہ سنجیدہ اور پرسکون تھا۔ ماتھے کی سبز پٹی بھی گیلی ہو چکی تھی۔

گاہے بگاہے وہ کنویں کی اندرونی دیوار کا جائزہ بھی لیتا تھا۔ تالیہ نے دیوار سے وہ پتھر کیسے نکالا تھا جس کو کنویں کے پانی میں

ڈالنے سے صحن کے اندر سے سیڑھیاں نکلی تھیں، وہ قطعاً واقف نہ تھا۔ لیکن خیر..... بغیر چابی کے وہ اس دروازے کو کھول بھی نہیں سکتے تھے ۔ چابی...انہیں چابی چاہیے تھی۔

پانی کا ڈول اوپر آیا تو اس نے اسے گھڑے میں انڈیلا۔ تبھی دروازے پہ دستک ہوئی۔ فاتح نے انگوٹھے سے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور گھڑا رکھ کے دروازے کی طرف آیا۔

باہر محمود مرنی کھڑا تھا۔ سرکاری یونیفارم پہنے، وہ سنجیدہ لگتا تھا۔ فاتح نے ایک نظر اس کے پیچھے ڈالی جہاں فاصلے پہ بگھی اور سرکاری سپاہی کھڑے نظر آتے تھے۔

''سن باؤ وانگ لی سے خراج وصول کرنے آیا ہوں۔'' اس نے سادہ انداز میں کہا۔

''مالک گھر نہیں ہے۔ مگر خراج کی تھیلی وہ رکھوا گیا تھا۔ میں لاتا ہوں، بلکہ تم اندر آجاؤ۔'' اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محمود مرنی کو اشارہ کیا۔ محمود نے پیچھے دیکھا اور سپاہیوں کو وہیں رکنے کا کہا۔ پھر فاتح کے ہمراہ اندر داخل ہوا۔

دروازہ بند ہوتے ہی محمود کے چہرے پہ بے چینی پھیل گئی۔ وہ تیزی سے گھوم کے اس کے سامنے آیا اور پریشانی سے فاتح کو دیکھا۔

''تم نے کہا تھا تم ہمارے لئے کچھ کرو گے۔ اب بتاؤ، کیا تم ہمیں آزاد کروا سکتے ہو۔'' سارا رعب، سارا طنطنہ ختم ہو گیا اور وہ فاتح کے سامنے ڈھلکے کندھوں والا ایک غلام لگ رہا تھا جو ابوالخیر کے آگے بے بس تھا۔

فاتح نے تپائی پہ دھری تھیلی اٹھائی اور اس کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے اسے تسلی دلائی۔

''محمود بن مرنی..... تم ان چند غلاموں میں سے ہو جن پہ ابوالخیر بھروسہ کرتا ہے اور ان کو باہر جانے کی اجازت ہے۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم بھی آزاد ہونا چاہتے ہو۔''

''میں نے مالک کے ساتھ کبھی دغا نہیں کیا مگر مجھے نفرت ہے مالک سے۔ وہ مجھے خرید کے نہیں، میرے گاؤں سے اغوا کر کے لایا تھا۔ اس کے آدھے سے زیادہ غلام ناجائز غلام ہیں۔ مجھے بتاؤ، فاتح.... ہم کیسے آزاد ہوں گے۔''

فاتح نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''وانگ لی تمہیں اس قید سے نجات دلائے گا۔ وہ ابھی آنے والا ہے۔ تم اس سے بات کرو، اور اپنی کہانی اس کے سامنے رکھو۔ وہ تمہارا کیس لے کر قاضی وقت کے پاس جائے گا اور قاضی ابوالخیر کو حکم جاری کرے گا کہ تمام ناجائز غلام آزاد کیے جائیں۔ یوں وانگ لی کی کوششوں سے مرسل شاہ کے دور میں نیا قانون پاس ہو گا جس کے مطابق تمام ناجائز غلام آزاد ہو جائیں گے۔''

محمود مرنی نے الجھن سے اسے دیکھا۔ ''تم تو یوں بتا رہے ہو جیسے تم نے ہماری قسمت پڑھ رکھی ہو۔''

فاتح دھیما سا مسکرایا۔ ''وانگ لی ایک عظیم انسان ہے، اور میں اس بات سے واقف ہوں کہ وہی تم لوگوں کو نجات دلوائے گا۔ یہ

بات تاریخ کی کتابوں میں لکھی جائے گی۔‘‘

باہر گھوڑے کی آواز آئی تو محمود مرنی چونکا۔ فاتح نے گہری سانس لی۔ ’’تم اندر بیٹھو۔ میں قہوہ بنا کے لاتا ہوں۔ تمہیں صرف ایک دفعہ وانگ لی سے بات کرنی ہے وہ فوراً راضی ہو جائے گا۔‘‘

محمود مرنی پھیکا سا مسکرایا۔ اس کی بے بس آنکھوں میں امید جاگی۔ ’’اللہ کرے ایسا ہی ہو۔‘‘

کچھ دیر بعد وان فاتح رسوئی سے نکلا تو اس کے ہاتھ میں طشت تھا جس پہ ننھی چینی پیالیاں اور چائے دان رکھی تھیں۔ ساتھ میں شہد کی بوتل تھی۔

اس نے طشت برآمدے کی میز پہ رکھا اور چینک سے پیالیوں میں قہوہ انڈیلنے لگا۔

سامنے آرام کرسی پہ وانگ لی بیٹھا مقابل براجمان محمود مرنی کو سن رہا تھا جو پریشانی اسے اپنی داستان سنا رہا تھا۔

’’سب جانتے ہیں سن باؤ‘ کہ ملاکہ کے قانون میں غلام دو طرح سے بنائے جا سکتے ہیں۔ یا تو وہ جنگ کے قیدی ہوں‘ یا پھر منڈی میں باقاعدہ معاہدہ کر کے ان کو خریدا گیا ہو۔ مگر ابوالخیر لوگوں کو اغوا کر کے لاتا ہے اور جبری غلام بنا لیتا ہے۔ اس کو راجہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ یوں اس کو مفت میں غلام مل جاتے ہیں۔ ہم سب آزاد ہونا چاہتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری مدد کریں گے۔‘‘

فاتح نے جھک کے طشت سن باؤ کے سامنے کیا۔ اس نے آرام سے پیالی اٹھائی اور لبوں سے لگائی۔ فاتح طشت لئے محمود مرنی کے پاس گیا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکرا کے اسے حوصلہ دلایا۔ محمود نے پرامید سا مسکراتے قہوہ اٹھایا اور سن باؤ کو ذرا اعتماد سے مخاطب کیا۔

’’سن باؤ.... آپ ہمیں سمجھائیں کہ ہمارا پہلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ ہم کس طرح ابوالخیر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔‘‘

فاتح اب طشت لئے پیچھے کونے میں جا کھڑا ہوا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ منتظر سا سن باؤ کو دیکھنے لگا۔

’’محمود مرنی.... تم جانتے ہو میں بھی ایک غلام تھا۔ تائی ژان۔‘‘

’’جی۔ اسی لئے ہمیں لگا کہ آپ ہمارا درد....‘‘

’’اور مجھے بھی جبری طور پہ غلام بنایا گیا تھا۔ میں شاہِ چین کے پاس کم عمری میں آیا تھا‘ اور مجھ پہ بہت ظلم بھی ڈھائے گئے‘ مگر میں ڈٹا رہا۔ میں نے اپنے آقا کے دل میں جگہ بنائی۔ میں نے محنت کی اور مجھے ان کا قرب حاصل ہوا۔ مجھے بڑے بڑے عہدے ملے اور میں آج آزاد ہوں‘ ملک ملک گھومتا ہوں‘ جہاں چاہے رہتا ہوں‘ مگر ہر دن کے اختتام پہ اپنے آقا کو خط لکھ کے ساری صورتحال سے آگاہی دیتا ہوں۔ میں آج بھی شاہ چین کا غلام ہوں اور....‘‘ سن باؤ نے پیالی رکھی اور آگے کو جھک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

’’مجھے.... اس غلامی پہ.... فخر ہے۔‘‘

پیچھے کھڑے وان فاتح کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''میں نے آج تک شاہِ چین کے خلاف دوسروں سے مدد نہیں مانگی۔ میں نے اپنے آقا سے محبت کی اور وفاداری نبھائی۔ ہر غلام کو جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ یہ سوچنا بھی مت کہ میں کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بغاوت کا مشورہ دوں گا۔ آج تو تم آ گئے ہو اور میں نے معاف کر دیا لیکن اگر دوبارہ آئے تو میں ابوالخیر کو سب کچھ بتا دوں گا۔ اس لئے گھر جاؤ اور اپنے آقا کی خدمت کرو۔ غلام ہر طرح سے بنائے جاتے ہیں' اور یہ ان کی قسمت ہوتی ہے کہ انہیں اپنے مالک کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ تم بھی میرے جیسا مقام حاصل کر سکتے ہو اپنی وفا اور محنت سے۔ اور یاد رکھنا' ملاکہ کا کوئی رئیس' کوئی قاضی تمہارے ساتھ نہیں کھڑا ہو گا کیونکہ سب کے گھروں میں جائز اور ناجائز غلام موجود ہیں۔''

محمود مرنی خاموشی سے اٹھا' تھیلی اٹھائی اور فاتح پہ ایک دکھ بھری جتاتی نظر ڈال کے مڑ گیا۔ دروازہ کھل کے بند ہونے کی آواز آئی مگر فاتح اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

وانگ لی اب پیالی سے گھونٹ گھونٹ پی رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ ہلکا سا ملال تھا۔

''مجھے ان غلاموں سے ہمدردی ہے' فاتح۔ مگر میں اس اجنبی دیس میں اجنبی ہوں۔ میں کبھی بھی ان غلاموں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ اگر تمہیں میری پیشانی لکیروں میں کوئی تحریر ایسی نظر آئی ہے تو یقین کرو تم نے غلط پڑھا ہے۔'' وانگ لی نے پیالی رکھ دی اور آنکھیں موند لیں۔ وہ تھکا ہوا لگتا تھا۔

اور فاتح بالکل سن کھڑا تھا۔

پتھر کا بت ہو کوئی جیسے۔

ٹوٹا ہوا خواب ہو کوئی جیسے۔

☆......☆......☆

بنداہارا کے محل کی عقبی کھڑکیوں سے دور نیچے ٹھاٹھیں مارتا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ تالیہ کی خواب گاہ میں دو صندوق کب کے لا رکھے گئے تھے اور وہ ان کو کھولے بیٹھی تھی۔ اوپر چاولوں کی تہہ لگی تھی۔ تلاشی کے وقت ابوالخیر کے ملازم نے یہی بتایا تھا کہ یہ دم کئے گئے چاول ہیں جو شہزادی کے لئے بھجوائے گئے ہیں۔ تہہ ہٹاؤ تو اندر ریشمی کپڑے میں سکے بھرے تھے۔

''یقیناً یہ کرپشن کے سکے راجہ مراد کو بھی چاولوں اور دالوں کے نیچے چھپا کے بھجوائے جاتے ہوں گے۔ صاف شفاف کرپشن جس کا کوئی سراغ نہیں لگا سکتا۔ خیر.....'' اس نے صندوق بند کیا اور کھڑکی میں رکھی گھڑی کی ریت دیکھی۔ سہہ پہر کا وقت تھا۔ راجہ اس وقت حکومتی امور میں مصروف رہتا تھا۔ ابھی کمرے میں نہیں آیا ہو گا۔ ایک خیال سا اس کے ذہن میں کوندا۔

کچھ دیر بعد وہ اشرفیوں کی تھیلی بھر کے راجہ کی خواب گاہ کی طرف جا رہی تھی۔

''راجہ اندر نہیں ہیں۔'' پہریداروں نے ادب سے اطلاع دی۔

''میں ان کے لئے خاص تحفہ لائی ہوں۔ انتظار کرلوں گی۔'' وہ بظاہر خوشی بھرے جوش سے بتاتی اندر چلی آئی۔

وہ اسے روک بھی نہ سکے۔

اندر آتے ہی اس نے تھیلی میز پہ رکھی اور جلدی سے الماری کی طرف بڑھی۔ اسے کھولا۔ ہر خانہ کھنگالا۔ بستر صفائی سے الٹ پلٹ کیا۔ چابی تو درکنار وہاں کچھ بھی ایسا نہ تھا جو قابلِ توجہ ہو۔ صرف کپڑے۔ کچھ اشرفیاں۔ کاغذ۔ مہر۔ کتابیں۔

وہ آخری صندوق بند کرنے لگی تو ٹھٹکی اندر ایک بوتل رکھی تھی۔ خالی بوتل۔

بوتل دیکھ کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک خواب سا ذہن کے پردے پہ چلنے لگا.....

وہ الماری کھولتی ہے.... بوتل نکالتی ہے.... اس کے اندر مائع سا بھرا ہے۔ اور پیندے میں سکہ اور چابی تیر رہی ہے۔ وہ بوتل سے مشروب پی لیتی ہے اور چابی نکال کے جوڑ دیتی ہے۔ وہ لمحہ امر ہو جاتا ہے۔

اندھیر راستہ.... اوپر تاروں بھرا آسمان.... اور وہ ایک ستارے کو دیکھتی چلتی جا رہی ہے.... چلتی جا رہی ہے.... جیسے خواب میں اسے کوئی راستہ دکھا رہا ہے....

کوئی روشنی سی اس کی راہبر ہے.... وہ چلتی جا رہی ہے.... چلتی جا رہی ہے...

یہاں تک کہ اسے وہ سیڑھیاں نظر آتی ہیں.... وہ نیچے اترتی جاتی ہے.... آگے وہ قدیم دروازہ ہے.... وہ زنجیروں سے لپٹے اس کے تالے میں چابی گھساتی ہے اور زیرِ لب بڑبڑاتی ہے۔

''بابا اگر الور سونگائی کے لوگوں کی مدد نہیں کر سکتے تو کیا ہوا.... میں خود جاؤں گی اور خزانہ ڈھونڈ کے لاؤں گی۔''

وہ زیرِ زمین راہداریوں میں چلتی جا رہی ہے.... اوپر بارش برس رہی ہے.... نیچے دو دریا ہیں.... پھر سیڑھیاں جن کو عبور کر کے وہ اوپر آتی ہے اور ڈھکن ہٹا کے زمین پہ باہر کو نکل آتی ہے۔ پھر ڈھکن برابر کر کے سیدھی ہوتی ہے اور ادھر ادھر دیکھتی ہے....

وہ ایک چرچ میں کھڑی ہے۔ لکڑی کے ڈیسک قطار در قطار لگے ہیں۔ صلیب جگمگا رہا ہے۔ موم بتیاں بجھی ہیں اور وہ چرچ کے وسط میں حیران پریشان کھڑی ہے.....

آوازوں نے ارتکاز توڑا تو تالیہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ وہ راجہ مراد کی خواب گاہ میں خالی بوتل ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ یہ وہی بوتل تھی جو کم سن تالیہ نے پی کے پھینک دی تھی۔

اس نے جلدی سے بوتل اندر واپس رکھی اور چیزیں درست کرتی خواب گاہ کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔ بالوں میں انگلیاں چلاتے' وہ اب یوں سست روی سے کھڑی تھی جیسے کافی دیر سے بابا کی منتظر ہو۔

راجہ کسی سے تیز تیز بات کرتا ہوا آ رہا تھا۔ بند دروازوں کے باوجود اس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہ اپنے کسی خاص خادم کو مصروف انداز میں ہدایات دے رہا تھا۔

''اگر کشتی میں سوراخ ہو گئے ہیں تو نئی کشتی لے لو۔ مگر میں نہ سنوں کہ کشتی نہ ہونے کی وجہ سے کسی قسم کی دیر سویر ہوئی ہے۔'' دروازہ کھلا اور وہ بولتا ہوا اندر داخل ہوا۔ پھر کمرے کے وسط میں کھڑی تالیہ کو دیکھ کے رکا۔ ہاتھ سے خادم کو جانے کا اشارہ کیا۔

''تم.... یہاں؟'' ساتھ ہی اس نے فوراً اپنی الماری کو دیکھا جس کے اندر بوتل چھپی پڑی تھی۔

''جی۔ میں تحفہ لائی تھی۔'' وہ مسکرا کے بولی اور میز پہ رکھی تھیلی کی طرف اشارہ کیا۔

مراد آگے آیا اور تھیلی اٹھا کے انگلیوں کے پوروں سے ٹٹولی' جیسے اشرفیاں محسوس کی ہوں۔

''ہوں۔ ابوالخیر کے تحفوں میں سے ایک نذرانہ.... اچھا لگا مجھے۔'' ہلکا سا مسکرایا۔ اور اسے واپس رکھ دیا۔ پھر اپنی قبا کندھوں سے جھٹک کے برابر کی اور تالیہ کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' کندھے تک آتے بالوں والا مراد اب اپنی عقابی نظریں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ ''تم اس دنیا سے مانوس ہوتی جا رہی ہو۔''

''ہونا بھی چاہیے۔ آخر مجھے یہیں رہنا ہے۔'' وہ مصنوعی سا مسکراتی رہی۔

''مگر تم پھر میرے کمرے کی تلاشی کیوں لے رہی تھیں؟''

لیکن وہ تیار تھی۔ اسی طرح مسکرا کے بولی۔

''جانتے ہیں اس دوسری دنیا میں' میں کیا تھی؟''

''کیا؟''

تالیہ آگے بڑھی' اور چہرہ راجہ کے کان کے قریب کر کے سرگوشی کی۔

''میں وہ تھی جو بنا چاپ دروازوں کے اندر گھس جاتی تھی' دیواروں پہ رینگ کے اوپر چڑھ جاتی تھی' الماریوں اور صندوقوں کے اندر داخل ہو جاتی تھی۔''

''جیسے ناگن ہو کوئی؟'' راجہ نے ابرو اٹھایا۔

''جیسے بلی ہو کوئی!''

وہ سرگوشی میں بولی اور پھر کندھوں سے اپنا ریشمی لباس ذرا جھٹکا' اور مسکرا کے ہٹ گئی۔

راجہ پرسوچ نظروں سے اسے باہر جاتے دیکھنے لگا۔

راہداری میں تیز تیز آگے بڑھتی تالیہ کی پیشانی پہ پسینے کی چند بوندیں تھیں جن کو اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑ کے صاف کر دیا

تھا۔ راجہ سے ایک دفعہ پھر اسے ہلکا ہلکا سا خوف آنے لگا تھا۔

☆......☆......☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں ایک جگہ ایک خوبصورت سا چائے خانہ بنا تھا۔ عام سرائے' اور قہوے خانوں کے برعکس یہ قدرے الگ تھلگ تھا' اور چاروں طرف سے سبز گھاس سے مزین باغیچے سے گھرا تھا۔

عمارت کے اندر نیم تاریک سا طویل ہال تھا جہاں میزیں کرسیاں لگی تھیں۔ ہر جگہ سرخ پردے اور سرخ کاغذی غبارے نظر آتے تھے۔ وہ چینی چائے خانہ تھا' اور وہاں صرف چینی افراد کام کرتے تھے۔ تقریباً سب وہی تھے جو ملکہ یان سوفو کے چینی وفد میں آئے تھے اور یہاں آ کے مقامی عورتوں سے شادی کر کے یہیں بس گئے تھے۔

اس چینی چائے خانے کا نام ''جیا'' تھا۔ جیا قدیم چینی میں 'چائے' کو کہتے تھے۔ یہ لفظ پھر ''جیا'' سے ''چا'' بنا جس سے ''چائے'' اخذ کیا گیا۔ 'جیا' اس زمانے میں بھی ایک پرانی اور کلاسیکل اصطلاح تھی اور چائے خانے کا نام اس پہ رکھنا کسی اعلیٰ اور ادبی ذوق کے حامل شخص کا کام تھا' اور وہ شخص کوئی اور نہیں' تین نگینوں والا غلام' وانگ لی تھا۔

'جیا' وانگ لی کا ذاتی قہوہ خانہ تھا جہاں وہ اکثر اپنی شامیں گزارتا تھا۔ یہاں شہر کے امراء اور روساء آیا کرتے تھے اور سیاست و سیاحت پہ لمبی بحثیں ہوتی تھیں۔

اس شام بھی سن باؤ وانگ لی 'جیا' کے اندر ایک میز پہ براجمان خوشگوار انداز میں محو گفتگو تھا۔ سامنے شاہانہ لباس میں چند اعلیٰ عہدیدار بیٹھے اس کو سن رہے تھے۔ فاتح اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا' جھک کے چینک سے پیالی میں دھار کی صورت چائے انڈیل رہا تھا۔ وہ کرتے کی آستینیں پیچھے چڑھائے' سنجیدہ اور خاموش نظر آتا تھا۔

سامنے بیٹھے شخص نے پیالی اٹھاتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا۔ ''اس کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں' وانگ لی۔ یہ کون ہے؟''

سن باؤ نے مسکرا کے اسے دیکھا جواب سنجیدہ سا کھڑا تھا۔ ''یہ میرا نیا غلام ہے۔ میں نے ابوالخیر سے اسے خریدا ہے۔''

''اچھا... تو یہ ہے وہ غلام جس کے اوپر لمبی لمبی بولیاں لگائی گئی تھیں۔'' دوسرے شخص نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ وہ لمبے بالوں اور داڑھی والا درمیانی عمر کا آدمی تھا۔

فاتح نے ادب سے سر کو خم دیا' ایسے کہ نظریں اس پہ جمائے رکھیں۔ جھکائیں نہیں۔

''کہاں سے آئے ہو تم؟'' داڑھی والے نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

''ابوالخیر کی حویلی سے....'' اس نے دوسری پیالی میز پہ رکھی اور سر جھکائے چینک سے قہوہ اندر انڈیلا۔

''دیکھنے میں اعلیٰ حسب نسب کے لگتے ہو۔ پیچھے سے کہاں کے ہو؟'' داڑھی والے نے اسی دلچسپی سے پیالی اٹھاتے پوچھا۔

''قاضی صاحب کا مطلب ہے کہ ابوالخیر کے پاس کس علاقے سے آئے تھے۔'' وانگ لی نے وضاحت کی۔ فاتح نے بس خاموش نظریں گھما کے وانگ لی کو دیکھا' اور پھر ایک سپاٹ نظر قاضی پہ ڈالی۔

''ابوالخیر کے پاس لوگ آتے نہیں ہیں۔ لائے جاتے ہیں....'' چبا چبا کے بولا تو میز پہ سناٹا چھا گیا۔ قاضی نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور کھوجتی نظروں سے اس غلام کو دیکھا جو چینک اٹھائے بات کہہ کے پلٹ گیا تھا۔

''تم ابوالخیر پہ الزام لگا رہے ہو۔ وہ وزیر خزانہ ہے اور ہمارا دوست۔'' دوسرے آدمی نے پیچھے سے ناگواری سے تنبیہہ کی۔ وانگ لی بھی ہلکا سا کھنکھارا۔

''فاتح کا الزام ضروری نہیں ہے کہ غلط ہو مگر....(سفارتکارانہ انداز میں دونوں ہاتھ اٹھائے۔) یہ درست ہے کہ ایسے آدمی پہ الزام لگانے سے ڈرنا چاہیے جس کے ماشاءاللہ اتنے رئیس اور امراء دوست ہوں۔'' خوش مزاجی سے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ جو آگے چلتا جا رہا تھا' ایک دم رکا۔ نہات ضبط سے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

(تو ثابت ہوا کہ سفارتکار آخر میں سفارتکار ہوتا ہے۔ کوئی انسان اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔ نہ وانگ لی' جو ان اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ سفارتکارانہ تعلقات نہیں خراب کر سکتا تھا۔ اور....) وہ دھیرے سے پلٹا تو اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔ (اور نہ وہ خود اپنے اصل روپ کو زیادہ دیر تک مصلحتوں کے پردے میں چھپا سکتا تھا۔)

اس کے اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا تھا۔

طشت قریبی میز پہ ڈالا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا واپس ان کے سامنے آیا۔ پھر میز کے دونوں کناروں پہ ہاتھ رکھے اور ان کی طرف جھکا' یوں کہ چہرہ ان تینوں کے سامنے تھا۔

''میرا نام فاتح بن رامزل ہے۔ مجھے اللہ نے ہر طبقے میں سے گزار کے اس مقام تک پہنچایا ہے۔ میں نے رئیسوں کی دوستی بھی دیکھی ہے' اور شاہوں کے محلوں میں ان کے ساتھ بھی بیٹھا ہوں۔ میں اعلیٰ سواریوں میں بھی گھوما ہوں اور میں نے ملک ملک کی سیر بھی کی ہے۔ میں کسی کی امارت یا طاقت کے رعب میں نہیں آیا کرتا' نہ میں طاقتوروں کی دوستی کے چھن جانے سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے قبریں کھودی ہوئی ہیں' مالک۔ مجھے ان چیزوں سے مت ڈراؤ جن سے فاتح نہیں ڈر سکتا۔ بھلے سامنے قاضی وقت ہو یا وزیرِ خزانہ' میں ملاکہ کے ان بے بس غلاموں کے حقوق کے لئے آخری سانس تک لڑتا رہوں گا۔'' پھر سیدھا ہوا' ایک نظر ان تینوں کے دم سادھے چہروں پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ پھر اندر جانے کی بجائے تیز تیز باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

وہ پیچھے سے کیا کہہ رہے تھے' اسے پرواہ نہ تھی۔ باہر آ کے گھاس پہ وہ رکا اور گہرے گہرے سانس لئے۔

دن ڈھل رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ چند گھوڑے باہر گھاس کے اس پار کھڑے تھے۔ کچھ لوگ ٹہل رہے تھے۔ ایسے میں وہ

آسمان کا نارنجی پن دیکھنے لگا اور تب ہی....نگاہ ہٹائی تو سامنے....ایک سنگی پتھر پہ...قہوہ خانے کے دروازے کے ساتھ....ایڈم بیٹھا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ میں دستہ تھا اور دوسرے پتھر پہ دوات لکھے وہ قلم ڈبو ڈبو کے اس پہ کچھ لکھ رہا تھا۔

فاتح کو اپنی طرف دیکھتا پا کے ایڈم نے صرف ایک دفعہ نگاہ اٹھائی اور واپس اپنا کام کرنے لگا' جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔ وہ یقیناً فاتح سے ملنے آیا تھا مگر ماحول ایسا تھا کہ وہ مل نہیں سکتا تھا۔ اس لئے نظر انداز کیے بیٹھا رہا۔ مگر وان فاتح کے ذہن میں ایک دم جھکڑ سے چلنے لگے۔ یادوں میں جھما کہ سا ہوا اور کچھ یاد آیا.....

دو ڈھائی سال پہلے....وہ کار میں بیٹھا لمبے سفر پہ جا رہا تھا...ڈرائیور کار چلا رہا تھا اور وہ پچھلی نشست پہ بیٹھا' عینک لگائے' کتاب پڑھ رہا تھا جس کے سرورق کے اوپری حصے پہ "بنگا رایا ملایو" (ملایا کا پھول) اور نیچے "آدم بن محمد" لکھا تھا۔

صفحے پہ لکھی تحریر پڑھ کے وہ مسکرا رہا تھا....

"اور یہ اسی ماہ کی بات ہے جب وانگ لی کے چائے خانے "جیا" میں....

ہوئی ایک شام گرم بحثوں کی نذر....

ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا رئیسوں اور قاضی کے خلاف...

اور کرنے لگا غلاموں کی حمایت...

جن کو قید کرتے تھے با اثر لوگ اغوا کر کے....

اور بولا وہ بھری محفل میں آواز بلند کر کے...

نہیں ڈرتا میں رئیسوں کی دوستی کے چھن جانے سے...

کیونکہ اللہ نے مطمئن کر رکھا ہے میرا نفس شاہوں کی دوستی سے...

گھوما ہوں میں اعلیٰ سواریوں میں' رہا ہوں میں اونچے محلوں میں...

پھرا ہوں میں ملک ملک' اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے' جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک۔

کیونکہ میں وانگ لی ہوں۔ سن باؤ تائی ژان۔

شاہِ چین کا سب سے وفادار غلام!"

جیا کے باہر گھاس پہ کھڑے فاتح کو وہ الفاظ حرف بہ حرف یاد تھے۔

چند لمحے کے لئے وہ شاک میں چلا گیا۔ وانگ لی؟ یہ الفاظ کہنے والے کا نام کتاب میں وانگ لی کیوں تھا؟

یہ الفاظ وانگ لی نے تو نہیں کہے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا ایڈم کے سر پہ آیا اور اس کے کاغذوں پہ نظر ڈالی۔ وہ تاریخ کی کتاب کو خوبصورت نثریہ نظم کی صورت لکھ رہا تھا۔ وہی الفاظ۔ وہی کلمات۔

''پھرا ہوں میں ملک ملک' اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں میں نے قبریں...

تو نہ ڈراؤ مجھے ان چیزوں سے' جو مجھے خوفزدہ نہیں کرتیں...

لڑتا رہوں گا بے کس غلاموں کی آزادی کے لئے آخر دم تک....

کیونکہ میں فاتح بن رامزل ہوں۔

ایک آزاد انسان!''

ایڈم نے آخری الفاظ تحریر کیے تو وہ ایک دم اس پہ جھپٹا' اور اسے گریبان سے پکڑ کے دیوار سے لگایا۔ صفحات بکھر گئے۔ دوات الٹ گئی۔

ایڈم بوکھلا گیا۔

''یہ کیا لکھ رہے ہو تم؟'' اسے دیوار سے لگائے وہ غرایا۔ ''کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ؟''

''میں.... میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔'' گردن دبوچے جانے کے باعث ایڈم کی آواز پھنسی پھنسی سی نکلی۔ ''ایمانداری.... اور اور سچائی کے ساتھ۔''

''جھوٹ.... تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کیونکہ یہ نہیں لکھا تھا تم نے اس کتاب میں۔'' ایک جھٹکے سے اس نے گریبان چھوڑا اور صدمے بھری نظروں سے اسے دیکھتا پیچھے ہٹا۔ ''میں نے یہ کتاب پڑھی ہے۔ میں نے اتنے سال وہ کتاب پڑھی ہے۔ جو باتیں تم وانگ لی سے منسوب کرتے رہے ہو' وہ اس نے نہیں کہی تھیں۔''

ایڈم نے گریبان درست کیا۔ اردگرد متوجہ ہوئے لوگوں کو مسکرا کے ''سب ٹھیک ہے'' کا اشارہ کیا۔ اور جھک کے کاغذ سمیٹے۔ پھر سیدھا ہوا اور گہری سانس لے کر فاتح کو دیکھا جس کا چہرہ صدمے اور غصے سے بے رنگ ہو رہا تھا۔

''میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی۔ میں اسے اب لکھ رہا ہوں۔ مگر میں اس میں کبھی بھی آپ کے الفاظ کو وانگ لی سے منسوب نہیں کر سکتا' سر۔'' دبی آواز میں وہ بولا تھا۔ ''میں اس کتاب کو پوری ایمانداری سے لکھوں گا۔ اور اگر بعد میں اسے کوئی تبدیل کر دے تو وہ الگ بات ہے مگر میں.... ایسا... نہیں کروں گا۔''

مگر فاتح کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ دکھ اور ملال میں گھرا کھڑا تھا۔ اس کا ہر ایک سے اعتبار اٹھ سا رہا تھا۔

''آپ کو لگتا تھا کہ وانگ لی ان غلاموں کو آزاد کرائے گا؟ ہرگز نہیں۔'' اس نے تلخی سے کہتے نفی میں سر ہلایا۔ ''محل میں رہ کے یہ تو جان ہی گیا ہوں' سر... کہ اس سفارتکار کے اپنے ذاتی کارنامے جتنے بھی ہوں' وہ صرف شاہِ چین کا وفادار ہے۔ بنگارایا ملایو میں اگر اس کی کسی جدوجہد کا ذکر ملتا ہے تو ہوسکتا ہے کتاب غلط کہتی ہو۔ ہوسکتا ہے وہ جدوجہد دراصل کسی اور کی ہو۔''

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''وانگ لی ایک تحریک چلائے گا۔ وہ ان غلاموں کو آزاد کروائے گا۔ مجھے تفصیلات نہیں معلوم مگر.... وانگ لی... اسے ہی چلانی تھی تحریک...''

''شاید وہ سب وانگ لی نے نہ کیا ہو۔ شاید وہ سب آپ نے کیا ہو۔ مجھے نہیں معلوم وانگ لی کا نام کتاب میں کیوں ہے مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ وانگ لی وہ ''ہیرو'' نہیں ہے جو آپ اسے سمجھتے ہیں۔ آپ اس کے فین ہیں اور اب آپ اس سے مایوس نظر آتے ہیں مگر سر.... فینڈم تو صرف ایک بلبلہ ہے۔ ست رنگہ بلبلہ۔ لوگ اس بلبلے کی قید میں اڑتے چلتے جاتے ہیں اور جب یہ پھٹتا ہے تو وہ نیچے آ گرتے ہیں اور.... ٹوٹ جاتے ہیں.... مگر....''

وہ ٹھہرا اور اداسی سے مسکرایا۔ ''میں سوچتا ہوں' سر.... کیا ٹوٹنا ضروری ہے؟ کیا مایوس ہونا لازم ہے؟ ان کے لئے ہمارا پیار تو خالص تھا نا۔ کیا ہوا جو وہ اتنے عظیم نہ تھے جتنا ہم ان کو سمجھتے تھے۔ ہم تو اپنی وفا میں سچے تھے نا۔''

فاتح کی آنکھوں میں کرچیاں سی چبھنے لگیں۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے ہو کے پہلو میں آ گرے۔

''کبھی کبھی ہم پرستاران شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اس لئے الوژن کے ٹوٹنے پہ ہمیں خود نہیں ٹوٹ جانا چاہیے۔''

جیا سے کچھ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ ایڈم کے لئے مزید رکنا محال تھا۔ وہ جلدی سے اپنی چیزیں سمیٹتا اٹھا اور سر جھکائے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وان فاتح اسے ملال سے جاتے دیکھتا رہا۔

''وہ سب وانگ لی نے نہیں کیا تھا' ڈیڈ۔'' آریانہ ایک دم کہیں سے آئی تو اس نے دکھی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ سفید فراک میں ملبوس وہ سایے جیسی بچی دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ ''آپ نے عرصے بعد اپنے اوپر بھروسہ چھوڑ کے کسی دوسرے پہ بھروسہ کرنا شروع کیا۔ غلط کیا۔ آپ کو اپنے سے امید لگانی تھی۔ بھلے تاریخ کی کتابوں میں جو بھی لکھا ہو۔''

اس نے سر جھکا کے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ کیا یہ ہاتھ ان غلاموں کو نجات دلانے جا رہے تھے؟

کوئی اپنے اصل سے نہیں بھاگ سکتا۔ پھر کیا ضرورت ہے بھاگنے کی؟

اس نے چہرہ اٹھایا اور 'جیا' کی عمارت کو دیکھا۔

ایک بات طے تھی ۔ وہ سب 'جیا' سے شروع ہوا تھا ۔ اسی چائے خانے سے ۔ مگر کیسے؟ تفصیلات اس کتاب میں درج نہ تھیں ۔ اسے خود ہی کچھ سوچنا تھا ۔

اس کی آنکھیں عمارت پہ جمی تھیں ۔ اور ذہن دھندلکوں میں پھنسا تھا ۔

☆......☆......☆

سلطنت محل کے حرم میں خوشگوار سی صبح دھوپ سینک رہی تھی ۔ پائیں باغ میں گھاس کی ننھی پہاڑی تھی جس پہ کینوپی بنی تھی ۔ کینوپی کی چھتری تلے میز کرسیاں لگی تھیں ۔ وہاں ملکہ یان سوفو ٹیک لگائے گرم چائے سے گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی ۔ سنہری تاج سر پہ رکھا تھا اور بالوں کا جوڑا بندھا تھا ۔ وہ نوجوان اور خوبصورت تھی مگر عہدے کا رعب اب شخصیت کا حصہ بن چکا تھا ۔

دفعتاً وہ پیالی رکھ کے مسکراتی ہوئی سیدھی ہوئی ۔ نیچے نشیب سے کنیزوں کی معیت میں تالیہ چلی آ رہی تھی ۔ اوپر آ کے اس نے جھک کے تعظیم پیش کی ۔

''ملکہ!''

یان سوفو نے مسکرا کے سر کو خم دیا ۔ ''آیئے شہزادی ۔ بیٹھیے ۔''

تالیہ مسکرا کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھی ۔ نارنجی ریشمی میکسی میں ملبوس' ہیروں سے مرصع تاج پہنے وہ بالوں کو گھنگریالا کیے نکھری ہوئی لگ رہی تھی ۔

''شہزادی تاشہ کی طرف سے تحفہ قبول کیجئے ۔'' اس نے اشارہ کیا تو دو کنیزیں آگے آئیں اور ایک چوکور شے سامنے کی جس پہ کپڑا گرا تھا ۔ کپڑا ہٹایا تو نیچے ایک تین فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی پینٹنگ تھی ۔ تصویر دیکھتے ہی یان سوفو کے لب کھل گئے ۔

وہ یان سوفو کا پورٹریٹ تھا ۔ طرحدار سی مسکراتی ہوئی ملکہ ۔

ہو بہو اصل کا عکس ۔

یان سوفو کی آنکھوں میں ستائش ابھری ۔ اس نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا جس نے سر کو پورا جھکا کے اٹھایا ۔

''یہ میں نے بنایا ہے' ملکہ ۔ آقا دیکھیں گے تو ان کو اچھا لگے گا ۔ اس کو آقا کی خواب گاہ میں ہونا چاہیے ۔''

''میں بہت متاثر ہوئی ہوں' تاشہ ۔'' پھر کنیزوں کو اشارہ کیا ۔ ''اس کو آقا کی طرف بھجوا دو ۔''

وہ رخصت ہوئیں تو متاثر اور ممنون سی یان سوفو نے تالیہ کو دیکھا ۔

''آپ کے اس فن سے ناآشنا تھی میں ۔ یہ کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

''جب میں یتیموں کی طرح ایک دور افتادہ قلعے میں بڑی ہوئی تھی تو یہ کام سیکھا تھا ۔ آپ کو اچھا لگا' میری محنت وصول ہو گئی

۔اور یہ پہلی دفعہ نہیں ہے کہ میں نے کسی حکمران کی بیوی کی تصویر بنائی ہے۔دوبارہ وہی کام کرنا اچھا لگا مجھے۔''اسے کچھ یاد آیا تھا۔

چند لمحے دونوں کے بیچ خاموشی حائل ہو گئی۔پھر یان سوفو کھنکھاری۔

''چین سے آج صبح اچھی خبر آئی ہے۔گزشتہ ہفتے سے میرے بابا روبہ صحت ہیں۔نظرِ بد کے تریاق کے پانی نے اپنا اثر کیا ہے ۔میں اس کے لئے آپ کی ممنون ہوں' شہزادی!''

''آپ مجھے شرمندہ کررہی ہیں' ملکہ۔والد کا رشتہ کسی بیٹی کی سب سے بڑی طاقت اور سب سے بڑی کمزوری بن سکتا ہے۔''

یان سوفو غور سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی جس پہ اداسی گھل گئی تھی۔''آپ کی اپنے والد سے ناچاقی کس بات پہ ہے؟''

تالیہ نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔''وہ مجھے واپس نہیں بھیجنا چاہتے اور میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔''

پھر گردن موڑی تو دیکھا' نیچے سبزہ زار پہ ہرنوں کی جوڑی ٹہل رہی تھی ۔یونہی اسے اشعر کے قلعے کا لان یاد آیا۔اور وہ ہرن....اس نے سر جھٹکا۔یان سوفو اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہی تھی۔

''کچھ یاد آ گیا آپ کو' شہزادی؟''

''میرا شہر....میرا گھر....جہاں بہت سے لوگ ہیں جن سے میں دوبارہ ملنا چاہتی ہوں۔''

''تو مل آیئے نا۔اس میں ایسا مسئلہ کیا ہے۔''

اس نے گہری سانس لے کر یان سوفو کو دیکھا۔''آپ نہیں سمجھ سکتیں۔اگر ایک دفعہ وہاں چلی گئی تو واپس نہیں آ سکوں گی' اسی لئے بابا مجھے جانے نہیں دے سکتے۔''

''واپس تو صرف ایک جگہ سے نہیں آیا جاتا' پتری تاشہ' (شہزادی تاشہ) اور وہ ہے تین چاند والا آسیب زدہ جزیرہ۔اس کے علاوہ ہر جگہ سے واپسی ممکن ہے۔''ملکہ نے مسکرا کے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تین چاند والا جزیرہ؟''وہ چونکی۔

''ہاں۔ملایا کا وہ آسیب زدہ جزیرہ جس میں ساری کشتیاں اور جہاز ڈوب کے غائب ہو جاتے ہیں۔اس لئے اب وہاں کوئی نہیں جاتا۔''

تالیہ ہلکے سے ہنس دی۔''نہیں' ادھر نہیں۔مجھے جہاں جانا ہے' وہ جگہ اتنی پر آسیب نہیں ہے جتنے پر اسرار وہاں کے لوگ ہیں۔ ٹھنڈے اور معاف نہ کرنے والے۔''اس کا چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ملکہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا وہ بھی ایسا ہے؟''اس کے سوال نے خوشگوار صبح میں اداس نغمے گھول دیے۔تالیہ گردن موڑ کے درختوں کو دیکھنے لگی۔

''وہی تو ایسا ہے۔ایک چھوٹی سی غلطی پہ منہ موڑ لینے والا۔معاف نہ کرنے والا۔میں تو اسے ہر سرد مہری اور بے رخی کے لئے

معاف کر دیتی تھی' ملکہ۔ پھر مجھے ندامت میں ڈال کے وہ میرے سارے اچھے کاموں پہ پانی کیوں پھیر دیتا ہے؟"

"ندامت میں یا شرمساری میں ڈال کے؟"

تالیہ نے اداس نگاہیں اس کی طرف موڑیں۔ "دونوں میں کیا فرق ہے؟"

"بہت فرق ہے۔ ندامت کہتی ہے کہ میں نے غلطی کی ہے اور مجھے آئندہ نہیں کرنی۔ جبکہ شرمساری کہتی ہے کہ میں خود ایک غلطی ہوں' ایک ناکامی' ایک بربادی۔ ندامت اچھی چیز ہے' پتری تاشہ۔ مگر شرمساری تو جان لے لیتی ہے۔"

وہ بس ملکہ کا چہرہ دیکھے گئی۔ وہ کم عمر تھی' مگر جب نخوت اور بغض کے پردے دونوں کے درمیان سے چھٹے تو اندر سے ایک مخلص عورت نکل کے سامنے آئی تھی۔

"میں اپنی غلطی پہ نادم ہوں' یا شرمسار' مجھے کیسے علم ہوگا؟"

"اگر تم اپنے آپ کو ناپسند کرنے لگی ہو تو تم شرمسار ہو اور یہ مہلک رویہ ہے۔ میں شاہِ چین کی دختر ہوں' میں نے اعلیٰ پائے کے اساتذہ سے تربیت حاصل کی ہے۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ سکھایا ہے کہ اپنی غلطیوں پہ ندامت اچھی چیز ہے' مگر شرمساری اور خود سے مایوسی انسان کو اس کی اپنی نظروں میں گرا دیتی ہے۔ اگر تم اپنی عزت نہیں کرو گی تو کبھی پراعتماد اور آزاد انسان نہیں بن سکتیں۔"

"میں نے کسی کا اعتبار توڑا ہے۔ اب میں اپنی عزت کیسے کروں؟"

"ہوں۔" ملکہ نے لمحے بھر کو سوچا۔ "اپنی غلطی کو چھوٹا نہ سمجھو مگر پھر یہ بھی دیکھو کہ تم اس کو درست کرنے کی کوشش بھی کر رہی ہو۔ یہ کام بے حد صبر اور عزم و ہمت والا ہے۔ تمہیں اس جدوجہد پہ اپنی عزت کرنی چاہیے۔"

تالیہ جبراً مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا۔ "میں کوشش کروں گی۔"

"کیا تم محبت کرتی ہو اس سے؟" وہ نرمی سے سوال کر رہی تھی۔

"محبت؟" وہ زخمی سا مسکرائی۔ "پتہ نہیں مگر یوں لگتا ہے جیسے ہم نے کئی زمانوں کا سفر ایک ساتھ کاٹا ہے۔ اس کے لئے جان دے بھی سکتی ہوں' اور لے بھی سکتی ہوں۔ اس سے ناراض ہوں مگر اس کے ساتھ وفادار ہوں۔ سچ پوچھیں تو دل سے صرف اسی کو "تو انکو" بولتی ہوں۔ سلطان مرسل کو بھی اس دل سے "آقا" نہیں کہتی۔ یہ محبت تو نہیں ہوتی شاید۔"

ملکہ ہنس دی۔ پھر محظوظ انداز میں اسے دیکھا۔ "یہ محبت نہیں ہوتی تو اور کیا ہوتی ہے؟"

"شاید پرستار ہونا اسی کو کہتے ہیں۔"

"یہ پرستار کیا ہوتا ہے۔" ملکہ کے لئے لفظ نیا تھا' یا شاید اصطلاح۔

"آپ نہیں سمجھیں گی۔ یہ ہمارے شہر کے روگ ہیں۔ ہمارے زمانے والوں کو لگتے ہیں۔" اور دل میں دہرایا۔ (تالیہ دی فین گرل۔)

''تم اچھی باتیں کرتی ہو تاشہ۔ میرا نہیں خیال تمہارے یہ شہر چھوڑ جانے سے میں خوش ہوں گی۔ یہ بھی نہیں جانتی کہ اتنی جلدی میں اور تم اتنے قریب کیسے آ گئے۔''

تالیہ ہنس دی۔ کھلکھلا کے۔ بہت دل سے۔

''دنیا میں کوئی تعلق اتنا مخلص اور گہرا نہیں ہوتا جتنا ان دو عورتوں کا ہوتا ہے جن کا دشمن ایک ہی مرد ہو۔''

ملکہ بھی ہنس دی اور دلچسپی سے آگے ہوئی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''میں تمہاری واپس جانے میں مدد کروں گی۔ تم میرے شوہر کو بنداہارا کے تسلط سے نکالنے کے لئے کیا کر سکتی ہو؟''

''ہمیں سلطان کا دل راجہ کی طرف سے کھٹا کرنا ہو گا۔ سلطان کا جس دن راجہ سے اعتبار ٹوٹا' اس دن راجہ کمزور ہو جائے گا۔ دوسرا...'' وہ آگے ہوئی اور آواز دھیمی کی۔ ''ہمیں راجہ کی دولت کا سراغ لگانا ہو گا۔ میری اطلاع کے مطابق راجہ اپنی دولت کہیں بھیج رہا ہے۔ اگر ہم اس دولت کو حاصل کر لیں تو راجہ کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ وہ میری اور آپ کی ہر بات ماننے پہ مجبور ہو گا۔ راجہ کی تیسری طاقت اس کے رئیس دوست ہیں' ہمیں ان رئیسوں کو خوش کرنا اور اعتماد میں لے کر اپنے ساتھ ملانا ہو گا۔ ہمارے پاس ان کو دینے کے لئے کچھ ایسا ہونا چاہیے جو راجہ کے پاس بھی نہ ہو۔ وہ ہمارے ساتھ آ ملیں تو راجہ تنہا رہ جائے گا۔''

''تم نفرت کرتی ہو راجہ سے؟''

''نہیں۔ میں ان کے لئے کچھ بھی محسوس نہیں کرتی' ملکہ۔ نہ وہ میری کمزوری ہیں' نہ طاقت۔ اور یہی میری سب سے بڑی طاقت ہے۔'' وہ رسان سے مسکرا کے بولی تو ملکہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

دنیا میں واقعی ایسا دوسرا کوئی تعلق نہ تھا۔

دو عورتیں ایک ہی مرد کے خلاف۔

الاماں۔

☆......☆......☆

''جیا'' کے نیم اندھیر ہال میں موم بتیوں نے زرد پرفسوں روشنی پھیلا رکھی تھی۔ مہمان مختلف کرسیوں پہ بیٹھے خوش گپیوں کے دوران چائے پی رہے تھے۔ وہاں صرف چائے نہیں بلکہ کھانا بھی دیا جاتا تھا جو خالص چینی لوزمات پہ مبنی ہوتا تھا۔

فاتح سست روی سے قہوے سے بھری چینک اٹھائے ایک میز پہ آیا جہاں دو اورنگ اصلی نوجوان بیٹھے تھے۔ ایک سن رہا تھا اور دوسرا نم آنکھیں پونچھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور اس دن وہ مجھے چھوڑ کے چلی گئی۔ میرے خط واپس آنے لگے۔ ایک ہندوستانی تاجر اس کے گھر کے چکر لگانے لگا۔ اور

پھر....'' وہ اشکبار سا اپنے ناکام عشق کی داستان سنا رہا تھا۔ فاتح نے سپاٹ انداز میں چائے اس کی پیالی میں انڈیلی اور واز کے ساتھ چینک میز پہ رکھی۔

''اتنی چائے نہیں منگوائی ہم نے۔ صرف ایک پیالی منگوائی تھی۔'' غم سننے والا ساتھی بگڑ کے بولا تو فاتح چونکا۔ لباب بھری چینک کو دیکھا اور گہری سانس لی۔

''میں معذرت خواہ ہوں۔ میرا دھیان کہیں اور تھا۔ غلطی سے پوری کتیلی بنا دی۔'' ناکام عاشق رومال سے ناک پونچھ رہا تھا' جبکہ اس کا دوست خفگی سے فاتح کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ یہ چائے پی لیں۔ ہم اس کے پیسے نہیں لیں گے۔ یہ لیجئے' آپ بھی پی لیجئے۔'' اس نے ایک خالی پیالی دوست کے سامنے رکھی۔ دوست نے حیرت سے ابرو اٹھایا۔

''واقعی؟ یہ مفت ہے؟''

''جی۔ یہ جن خاص پھولوں کی چائے ہے' اس کی طلب 'جیا' کے کسی دوسرے مہمان کو نہیں۔ اس لئے یہ کوئی اور نہیں پیئے گا۔ آپ پی لیجئے۔'' متانت سے کہتا پیچھے ہٹ گیا۔ دوسرے لڑکے نے جلدی سے چائے پیالی میں انڈیلی اور پھر گھونٹ گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے اپنے دوست کی داستان سننے لگا۔

''وہ گئی ہے تو لگتا ہے جسم کا کوئی حصہ کاٹ دیا گیا ہے۔ میں بے کار ہو گیا ہوں۔ دل چاہتا ہے ساری ساری رات اسی قہوہ خانے میں بیٹھا اسے یاد کرتا رہوں۔ اس کے بارے میں نظمیں لکھتا رہوں۔'' فاتح واپس جا رہا تھا جب ناکام عاشق کی آواز کانوں میں پڑی۔ لمحے بھر کو وہ ٹھٹکا' پھر آگے بڑھ گیا۔

آستینیں پیچھے چڑھاتے وہ باورچی خانے میں آیا تو نگران باورچی نے بگڑ کے اسے دیکھا۔

''تمہارا دھیان کہاں ہوتا ہے' فاتح؟ تم نے پوری چینک ضائع کر دی۔''

''چند پتے اور زیادہ پانی ہی تو لگا ہے۔ ویسے بھی جیا کا کاروبار مندا جا رہا ہے۔ روز کھانا بچ جاتا ہے اور ضائع کرنا پڑتا ہے۔ اچھا ہے وہ پی لیں گے۔ دل بڑا رکھا کرو۔'' بے نیازی سے کہہ کے وہ دوسرا طشت اٹھائے باہر آ گیا۔ پیچھے دونوں باورچی اس کے بارے میں کچھ بول رہے تھے' اس نے پرواہ نہیں کی۔

وہ دونوں کنوارے میز پہ ہنوز بیٹھے تھے۔ عاشق داستانِ غم سنائے جا رہا تھا اور دوست تسلی سے سن رہا تھا۔ چینک آدھی ہو چکی تھی۔ پیالیاں بار بار بھری جا رہی تھیں۔ چینی کی چینک' اور قہوہ کی دھار انڈیلنے کی آواز.... وہ کھڑا اس سارے منظر نامے کو دیکھ رہا تھا اور ایک اچھوتا خیال اس کے ذہن میں جڑ پکڑنے لگا تھا۔

''وہ ہر کھڑکی' ہر دروازے میں نظر آتی ہے۔ آسمان کے ہر تارے میں اس کا عکس ہے۔ ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے۔'' رومال سے آنکھیں رگڑتا عاشق اب رک کے پیالی سے گھونٹ بھرنے لگا تھا۔

وان فاتح ہلکا سا مسکرایا۔



سلطان مرسل شاہ کا دربار اس شام تنہا اور ویران پڑا تھا۔ عصر ڈوبنے لگی تو ساری موم بتیاں' مشعلیں اور دیے جلا دیے گئے۔ طویل دربار روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ مرسل شاہ اپنے تخت پہ بیٹھا' سامنے میز پہ پھیلی پینٹنگ دیکھ رہا تھا۔ ابرو ستائش سے اٹھے تھے' اور بار بار وہ 'واہ' واہ' کہہ اٹھتا۔

دربان نے دروازے کھولے اور تالیہ اندر داخل ہوئی تو دروازے بند کر دیے گئے ۔ دور سیدھ میں اونچے تخت پہ بیٹھے سلطان نے سر اٹھایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آیئے' پتری تاشہ!'' وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تالیہ نے ادب سے سر جھکا کے ''آقا'' کہا اور ریشمی لباس دونوں پہلوؤں سے اٹھائے قدم قدم آگے آئی۔ چبوتر کے زینے چڑھی اور تخت کے ساتھ ایک مخملیں اسٹول پہ بیٹھی۔ پھر گھنگریالی لٹیں انگلی سے کندھے پہ پیچھے کیں اور سادگی سے مسکرا کے سلطان کا چہرہ دیکھا۔

''کیا آقا کو میرا کام پسند آیا؟''

''کام؟ یہ تو کوئی معجزہ ہے جیسے۔'' وہ سر دھن رہا تھا۔ سر پہ ہیروں جواہرات سے مرصع ٹوپی پہنے' اور کندھوں پہ زرتار سنہری قبا اوڑھے' وہ اپنا انگوٹھیوں والا ہاتھ تعریفی انداز میں بلند کیے ہوئے تھا۔

''یوں لگتا ہے ملکہ کو اس تصویر میں قید کر دیا گیا ہو۔''

''ملکہ کا یہ مقام نہیں کہ ان کو قید کیا جائے۔ ہم تو صرف ان کے عکس کو قید کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔''

مرسل نے گردن موڑ کے مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''یہ فن کہاں سے سیکھا آپ نے؟''

''آزاد انسان کی یہی خوبی ہوتی ہے کہ وہ پنچھی کی طرح ہر ملک کی فضا میں اڑتا پھرتا ہے۔ اور بہت کچھ سیکھ لیتا ہے۔ مجھے فضائیں پسند ہیں آقا۔ یہ محل کے اونچے گنبد نہیں' جو قید کر لیتے ہیں۔''

مرسل نے گال تلے تین انگلیاں رکھیں اور دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔

''تو کیا ہم سب قید ہیں؟''

''اتنے آزاد بھی نہیں ہیں۔ مگر آپ کی بھی مجبوری ہے۔'' وہ سرخ آنسو والی انگوٹھی کو انگلی سے گھماتی سادگی سے بولی۔ ''بندا ہارا کی

ہر بات آپ کو ماننی پڑتی ہے۔"

"راجہ مراد کے احسان ہیں مجھ پہ۔اس نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"تو کیا وہ سب احسان میں کیا تھا انہوں نے؟" تالیہ کی آنکھیں مصنوعی حیرت سے پھیلیں۔"میں تو سمجھی....آقا کی محبت اور وفاداری میں کیا تھا۔"

مرسل یکدم گم صم ہو گیا۔جیسے چونک گیا ہو۔پھر تالیہ نے کندھے اچکائے۔

"مگر میں ٹھہری آقا کی ایک ادنیٰ کنیز....مجھے ان باتوں کی کیا سمجھ۔یقیناً آقا بہتر جانتے ہوں گے۔"

وہ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا۔کسی کھڑکی سے ہوا کا جھونکا آیا۔دربار کی موم بتیوں کے شعلے ہلکے سے ٹمٹمائے۔

"میں آپ کو اپنے حرم میں لانے جا رہا ہوں' پتری تاشہ!"

وہ جو اپنی دانست میں دانائی سے چوٹ کر کے اٹھنے لگی تھی' لمحے بھر کو پتھر ہو گئی۔چونک کے اسے دیکھا۔

"جی؟"

"اول درجے کی 'خاتون' بنا کر میں آپ کو....اپنے حرم میں....لانے جا رہا ہوں' شہزادی۔" وہ خوشگوار انداز میں بتا رہا تھا اور اس کی رنگت پیلی پڑنے لگی تھی۔"ویسے بھی سلطان کی بیوی اور خاتون کا انتظام اور شادی کے معاملات طے کرنے کا اختیار ایک شخص کو ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے ملاکہ سلطنت کا بنداہارا۔اور مجھے یقین ہے راجہ مراد کو اس بندھن پہ اعتراض نہیں ہو گا۔"

وہ بہت اطمینان اور خوشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔"آپ کو میرے حرم میں ہونا چاہیے۔میرے ساتھ۔ میرے ہر فیصلے میں۔میں ایک طاقتور اور آزاد سلطان بننا چاہتا ہوں شہزادی' مجھے یقین ہے آپ میری مدد کریں گی۔"

سلطان پراعتماد تھا۔تخت پہ بیٹھ کے تاج پہن کے مرد پراعتماد ہو ہی جاتے ہیں۔انکار کی تو گنجائش ہی نہیں تھی۔

تالیہ پھیکا سا مسکرائی۔پھر ذرا کھنکھاری۔"میری طبیعت آج کچھ ناساز ہے۔ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔مجھے اجازت دیجئے آقا۔پھر حاضر ہوں گی۔اور اٹھ کھڑی ہوئی۔سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔مسکراہٹ برقرار تھی۔مرسل نے سر کو خم دیا اور اسے اجازت دی۔

وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی' اور پھر مڑی۔جیسے ہی پلٹی' تاثرات بدلے۔چہرے پہ غصہ در آیا۔کان سرخ ہوئے۔وہ طویل دربار میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔تنفس مارے جذبات کے تیز ہوتا جا رہا تھا۔

"واہ....آفرین...." مرسل اب پھر سے بے حد دلچسپی سے اس پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔

☆......☆......☆

فجر کی اذان قدیم ملاکہ کی کسی مسجد سے گونجتی گرد و نواح میں پھیل رہی تھی۔سن باؤ کے صحن میں تاروں بھرا آسمان نظر آ رہا تھا۔بر

آمدے میں آرام کرسی پہ وہ سو رہا تھا۔اوپر کمبل تھا جیسے کسی نے بعد میں ڈالا ہو۔میز پہ رکھا دیا بجھا تھا اور ایک کتاب آدھی کھلی پڑی تھی۔

اذان کی آواز پہ وانگ لی کی آنکھ کھلی۔ذرا سا کسمایا اور آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔پھر چونک کے اپنے اوپر پڑا لحاف دیکھا۔ادھر ادھر گردن گھمائی۔

''فاتح۔'' آواز دی۔

وہ صحن کے کونے میں گھڑے کے پانی سے جھک کے وضو کر رہا تھا۔چہرہ اور بازو گیلے تھے۔پاؤں اب دھو رہا تھا۔آواز پہ آخری دفعہ پانی بہایا اور ''جی مالک'' کہتا گھڑا رکھتا اس طرف گھوما۔پھر قدم قدم چلتا برآمدے تک آیا۔اندھیر برآمدے میں تاروں بھرے آسمان تلے کھڑا غلام جس کے ہاتھ منہ گیلے تھے،بہت سادگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔وانگ لی نے گہری سانس لی۔

''تم کیا مجھ سے خفا ہو فاتح۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔''میں زیادہ دیر خفا نہیں رہتا مالک اور آپ کی کوئی غلطی نہیں۔میری توقعات غلط تھیں۔''

پھولے گالوں والے وانگ لی کے معصوم صورت چہرے پہ اداسی گھل گئی۔''شاید میں اتنا عظیم نہ تھا جتنا تم مجھے سمجھتے تھے۔''

اس کی آواز کی اداسی صحن کی سرخ اینٹوں سے ٹکرا کے درختوں کے شاخوں سے لپٹنے لگی۔

''نہیں،مالک۔آپ صرف مختلف تھے۔ہر انسان دوسرے سے مختلف ہوتا ہے مگر ہر کوئی خاص ہوتا ہے۔ہم جب خود کو نہیں بدل سکتے تو دوسروں کو کیسے بدل سکتے ہیں۔ہمیں صرف دوسروں کو قبول کرنا ہوتا ہے۔''

''تو تم نے مجھے قبول کر لیا ہے؟''

''قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں آپ کو آپ کی خامیوں کا احساس نہ دلائیں۔اصلاح کی ضرورت ہر انسان کو ہر وقت ہوتی ہے۔'' وہ اب گلی آستینیں واپس موڑ رہا تھا۔سینے پہ کمبل ڈالے بیٹھے وانگ لی نے تکان سے گہری سانس لی۔

''میں جانتا ہوں۔تمہارے نزدیک میری خامی یہ ہے کہ میں غلاموں کے حقوق کے لئے نہیں لڑتا۔''

''نہیں۔آپ کی خامی یہ ہے کہ آپ فضول خرچ ہیں۔''

وانگ لی کو اسکی توقع نہیں تھی۔وہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''غلاموں کو بھول جایئے۔اپنی فکر کیجئے۔آپ نے ایک غلام کی ہزاروں دینار میں بولی لگائی۔کیا ضرورت تھی اس کی جب کہ آپ اتنے امیر نہیں ہیں۔جیا، مسلسل نقصان میں جا رہا ہے۔آپ کو اپنے کاروبار کو واپس پیروں پہ کھڑا کرنا ہوگا۔''

''میرے بہت سے کاروبار ہیں مگر ہاں....میں جیا کے لئے فکر مند رہتا ہوں۔'' وہ کہتے ہوئے ہولے ہولے کرسی پہ جھولنے لگا۔

رات کی مقدس خاموشی میں ہلکی ہلکی آواز پیدا ہوئی۔

''میرے پاس ایک طریقہ ہے جیا کو اپنے قدموں پہ کھڑا کرنے کا۔ اگر آپ کو مجھ پہ ذرا سا بھی بھروسہ ہے تو اس پہ عمل کر کے دیکھیے۔'' وہ آگے آیا اور احتیاط سے وانگ لی کا چہرہ دیکھتے اس کے قدموں کے قریب بیٹھا۔ جیسے غلام بیٹھتے ہیں۔ مگر گردن اور نگاہیں اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ انہیں نہیں جھکاتا تھا۔

''کیا؟''

''ہم منادی کرا دیتے ہیں کہ جیا میں کنوارے مردوں کو کھانا اور چائے مفت ملے گی۔''

''ایں؟'' وانگ لی ہڑبڑا کے سیدھا ہوا۔ ''ہم کیوں کسی کو مفت کھانا دیں؟''

''روز کتنا کھانا ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ لوگ دوسرے دونوں چائے خانوں کا رخ کر لیتے ہیں۔ جیا سنسان ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ دوسری دکانوں میں اس لئے جاتے ہیں کیونکہ وہ بھری ہوتی ہیں۔ انسان بھیڑ چال کا رسیا ہے۔ وہ دوسروں کی پیروی کرتا ہے۔ دکان میں ہجوم دیکھ کے سب کو اشتیاق ہوتا ہے کہ وہاں جانا چاہیے۔ ہم بھی ایسا ہجوم اکٹھا کر سکتے ہیں۔''

''مفت کھانے کے لالچ میں تو سارے شہر کے مرد آ جائیں گے' فاتح۔ یہ تو سراسر نقصان ہے۔'' وہ متذبذب تھا۔

''مگر ہجوم تو لگے گا نا۔ اور ان کی دیکھا دیکھی شادی شدہ مرد عورتیں سب آئیں گے اور پیسے دیں گے۔ ویسے بھی کنوارے زیادہ تر ناکام عاشق ہوتے ہیں۔ چائے پہ خوش ہوتے ہیں۔ گھنٹوں باتیں کرتے ہیں۔ اتنا زیادہ نہیں کھا سکتے وہ۔'' وہ اس کے گھٹنوں کے پاس بیٹھا آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔

وانگ لی توجہ سے سن رہا تھا۔ اسے یہ خیال بھلا معلوم ہونے لگا تھا۔

اسے نہیں معلوم تھا کہ سب سے زیادہ کنوارے مرد جس ایک طبقے میں ہوتے ہیں' وہ غلاموں کا طبقہ ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

دوپہر چمکیلی تھی اور آسمان بادلوں سے بالکل صاف تھا۔ 'جیا' چائے خانے کے اندر ہجوم لگا تھا۔ باہر سبزے پہ کچھ لوگ اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اندر میزیں کھچا کھچ بھری تھیں۔ ایسے میں دو چغہ پوش چوکھٹ سے اندر داخل ہوئے تو مرکزی ہال میں کھانے کی اشتہاء انگیز خوشبو پھیلی تھی۔ دھوئیں اڑ رہے تھے اور خوش گپیوں کی آوازیں مل کر شور صورت بلند ہو رہی تھیں۔ غرض 'جیا' میں رونق لگی تھی۔

ایک چغہ پوش نے دوسے کے قریب سرگوشی کی۔ ''یہاں اتنا رش کیوں ہے' ایڈم؟''

دوسرا قریب کھسکا اور بولا۔ ''کیونکہ اس چائے خانے کے مالک نے تمام کنوارے مردوں کے لئے کھانا اور چائے مفت کر دی ہے' چے تالیہ۔ تین دن میں اس چائے خانے کی رونق بحال ہو گئی ہے۔''

''تو ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔''

"کیونکہ میں کنوارہ ہوں' اور آپ کی مہربانی سے جو میری شادی ہونے والی تھی' وہ وقت کی قید کے باعث نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے مجھے اب یہاں سے مفت دال روٹی توڑنے دیجئے' شہزادی۔"

"ارے واہ۔ میں نے کیا کیا تھا؟ تمہیں ہی شوق تھا میرے خزانے کے ایڈونچر کو خراب کرنے کا۔" وہ اس کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھتی کہے جا رہی تھی۔ گول زینے اوپر جاتے تھے اور وہاں ایک چھوٹا ہال بنا تھا۔ "تمہیں اور مجھے وہ خزانہ ڈھونڈنا تھا' اور تم نے کیا کیا' ہاں؟"

"میں نے کیا کیا؟" وہ اوپر آئے اور آگے پیچھے ایک میز کی طرف بڑھے۔

"تم نے جا کر چابی اور سکہ وان فاتح کو دے دیا' اور انہوں نے وہ دروازہ کھول دیا۔ تم اپنی وجہ سے کنوارے ہو' اچھا۔" اس نے ایک کرسی کھینچی اور اسے دبی آواز میں جھڑکتے ہوئے بات جاری رکھی۔ "تمہارا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ جو بات میرے اور تمہارے درمیان تھی' تم اس میں وان فاتح کو لے آئے۔ تم ہر دفعہ ان کو بیچ میں لے آتے ہو۔"

میز پہ ہلکا سا ہاتھ مارا اور بات مکمل کر کے چہرہ موڑا تو.... میز کے اس طرف کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔

تالیہ کا سانس تھم گیا۔

سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' ٹیک لگائے' گہری سپاٹ نظروں سے تالیہ کو دیکھتا ہوا۔

تالیہ نے فوراً ایڈم کو دیکھا جو تیسری کرسی کھینچ کے بیٹھ رہا تھا۔

"یہ یہاں کیسے؟ یہ تو سن باؤ کے گھر...." پھر چونک کے اطراف میں دیکھا۔ دیواروں پہ سرخ رنگ کی سجاوٹ.... چینی زبان میں لکھے بینرز۔ اس نے گہری سانس کھینچی اور خفگی سے ایڈم کو دیکھا۔

"تو یہ چائے خانہ سن باؤ کا ہے۔" ساتھ ہی خفگی سے رخ ذرا موڑ لیا۔ ٹوپی سر پہ تھی مگر اس کے ہالے میں دمکتا چہرہ اور تمتماتے گلابی ہوتے گال صاف دکھائی دے رہے تھے۔

"میں چاہتا تھا ہم تینوں مل کے بیٹھ کے باتیں کر لیں اور مستقبل کا...." ایڈم نے قدرے نرمی سے بات سنبھالنی چاہی مگر....

"اسے میں نے کہا تھا تمہیں یہاں بلانے کو۔" وہ سنجیدگی سے ہاتھ میز پہ رکھتے سامنے کو جھکا۔ تالیہ نے خفا خفا سا چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"اور آپ کیوں ایک بددیانت' جھوٹی لڑکی سے ملنا چاہتے تھے؟ اس سچے' اور عظیم نئے دوست کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے جس کے لئے آپ نے ہمیں چھوڑا تھا۔"

"میں نے کسی کو نہیں چھوڑا۔ تم نے ایک غلطی کی' اور تم اس کو جسٹی فائی نہیں کر سکتیں۔ جہاں تک وانگ لی کا تعلق ہے تو میں اس سے جن کاموں کی توقع کر رہا تھا' وہ اس کے بس کی بات نہیں ہیں۔ اب اگر تم ہماری ذاتی رنجشوں کو پسِ پشت ڈال دو تو ہم کام کی بات کر

لیں۔'' وہ غصے میں نہیں تھا۔ وہ بس دوٹوک' بے تاثر سا کہہ رہا تھا۔ تالیہ نے رک کے اسے دیکھا۔

اس کے بال چھوٹے تھے۔ قلموں سے کچھ سفید بھی تھے۔ شیو تازہ بنا رکھی تھی' اور چہرہ پہلے سے تروتازہ لگتا تھا۔ بالآخر اسے ملاکہ کا پانی راس آ گیا تھا اور وہ روبہ صحت تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں کی سنجیدگی اور فکرمندی پہلے سے مختلف تھی۔ نہ جانے کیوں وہ نرم پڑنے لگی۔

''کہیئے' تو انکو۔ میں سن رہی ہوں۔'' خفگی ختم نہیں کی' مگر کم کر دی۔ ایڈم نے سکون کا سانس لیا۔ تالیہ اور فاتح آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ایڈم ان کے ایک طرف۔ تکون صورت وہ میز پہ جھکے تھے۔ اردگرد میزوں پہ چند لوگ کھانے اور خوش گپیوں میں مصروف نظر آتے تھے۔ کوئی یہاں خاص متوجہ نہ تھا۔

''ہمیں جلد از جلد وہ چابی ڈھونڈ کے اس جگہ سے نکلنا ہے تاکہ آپ لوگ اپنے اپنے کام کریں اور میری شادی ہو سکے۔'' وہ عرصے بعد اتنا مغموم اور بے چین نظر آ رہا تھا۔ جیا کے سارے کنوارے مردوں کو دیکھ کے اس کے پرانے زخم جاگ گئے تھے۔

''ایڈم کا کہنا ہے کہ راجہ مراد اپنی دولت کو کہیں منتقل کر رہا ہے۔'' فاتح نے سنجیدگی سے تالیہ کو مخاطب کیا۔

''لگتا تو یہی ہے۔ مگر کہاں' ہم نہیں جانتے۔'' اس کا انداز ہنوز لیا دیا سا تھا۔

''اور یہ دولت آ کہاں سے رہی ہے؟ راجہ کا کوئی کاروبار' کوئی جائیداد نہیں ہے۔ جب اس کو محل سے نکالا گیا تھا پچھلے سلطان کے عہد میں تو وہ کنگال تھا۔ تبھی تو الور سونگائی کے ایک خستہ حال مکان میں جا بسا تھا۔ مجھے یہ سب وانگ لی نے بتایا ہے۔''

''یہ دولت ان کو ابوالخیر کی طرف سے ملتی ہے۔ مگر وہ اسے کہیں اور منتقل کیوں کر رہے ہیں' یہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔''

فاتح نے کہنیاں میز پہ رکھے اس کو غور سے دیکھا۔

''تم ہی تو کہتی ہو کہ فضا میں شامل Cesium کے علاوہ کوئی شے مختلف نہیں ہے ہماری اور ان کی دنیا میں۔''

''تو؟'' (ایڈم احتجاج کرنے لگا مگر کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ ''یہ میری لائن تھی۔'')

''تو ہماری دنیا میں بھی تو یہ کام ہوتے ہیں۔ اس کو منی لانڈرنگ بولتے ہیں۔''

''منی لانڈرنگ! اوہ۔'' اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔

''چے تالیہ تو ماشاءاللہ لوٹنے اور چوری چکاری کی فیلڈ سے تعلق رکھتی ہیں' اس لئے ان کا علم لامحدود ہوگا' مگر میں سچی بات ہے کہ ابھی تک ٹھیک سے نہیں جانتا کہ منی لانڈرنگ کیا ہوتی ہے۔''

''کیوں؟ تم نے کبھی اس موضوع پہ کوئی کتاب نہیں پڑھی کیا؟'' وہ چمک کے بولی۔ جواب میں ایڈم نے منہ بنایا تھا۔

''سادہ سی بات ہے۔ جب کوئی آدمی بینک میں پیسہ رکھوانے جاتا ہے تو بینک اس سے پوچھتا ہے کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے کمایا ہے؟ اس کی رسیدیں دکھاؤ۔'' وہ رخ موڑ کے ایڈم کو سمجھانے لگا۔ ایڈم تالیہ کی بڑبڑاہٹ کو نظرانداز کیے سننے لگا۔

''تو حلال کمائی والے رسیدیں دکھا دیتے ہیں۔مگر ناجائز طریقے سے پیسہ بنانے والے رسیدیں نہیں دکھا سکتے' سو وہ اس پیسے کو اپنے ملک میں نہیں' بلکہ فیشن ایبل خوبصورت لڑکیوں کے بیگز میں بھر کے دوسرے ملکوں میں بھیج دیتے ہیں۔کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کے بیگز کی ائیر پورٹ پہ تلاشی کم کم لی جاتی ہے۔اس کو پیسے کو آف شیورا کاؤنٹ میں رکھنا کہتے ہیں۔ایسے ہی لوگ آف شیور کمپنی بناتے ہیں جو ایک کھوکھلی کمپنی ہوتی ہے۔بس یہ جان لو کہ ہر ملک پوچھتا ہے کہ پیسہ کہاں سے آیا۔سوائے چند ایک ملکوں کے۔''

وہ عرصے بعد ایڈم کو اپنا مخلص' اور سادہ لیڈر لگا تھا جو اسے آسان زبان میں کچھ سمجھا رہا تھا۔

''کون سے ملک؟''

''ہانگ کانگ اور پانامہ۔''

''یہ ملک کیوں نہیں پوچھتے کہ پیسہ حلال کا ہے یا حرام کا؟'' وہ حیران ہوا۔

''یہ غریب جزیرے تھے۔ان کے پاس کچھ ایسا نہ تھا جو لوگ یہاں سرمایہ کاری کرتے۔جس ملک میں بھی لوگ آ کر پیسہ بینکوں میں جمع کراتے ہیں' وہ ملک امیر ہو جاتا ہے سو ان ملکوں نے دنیا کو یہ کہہ دیا کہ ہمارے بینکوں میں پیسہ محفوظ کرو' ہمارے ہاں آف شیور کمپنیاں رجسٹرڈ کرواؤ' ہم پیسے کا ذریعہ نہیں پوچھیں گے۔''

''اوہ' یعنی اس طرح سارے کرپٹ لوگ اپنا کالا دھن پانامہ اور ہانگ کانگ اور سوئیس بینکوں میں بھرنے لگے۔کیونکہ وہاں کوئی ان سے سوال نہیں کرتا تھا۔'' ایڈم کو سمجھ آ گیا تھا۔

''اور پیسے کو ملک سے چوری چھپے نکال کے آف شیور میں محفوظ کرنا منی لانڈرنگ ہوتا ہے۔یہ پہلے صندوقوں میں بھر کے ہوتا تھا۔اب بیگز میں ڈال کے۔''

''دیٹس اِٹ۔آف شیور!'' تالیہ نے ایک دم میز پہ ہاتھ مارا تو وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''آف شور کا کیا مطلب ہے بھلا؟'' وہ دبی آواز میں چمکتی آنکھوں سے گویا ہوئی۔''ساحل سے دور....سمندر کی طرف کسی شے کو رکھنا۔سمندر کے اندر جزیروں میں چھپانا۔یہ پانامہ' ہانگ کانگ' برٹش ورجن آئی لینڈز' یہ سب جزیرے ہیں۔ہے نا۔''

''ہاں تو؟''

''تو ہو سکتا ہے اس قدیم زمانے میں بھی ایسے ہی کیا جاتا ہو۔خزانوں کو صندوقوں میں بھر کے کسی ایسے جزیزے پہ لے جایا جاتا ہو جہاں کوئی اس دولت کے بارے میں سوال نہیں کر سکتا۔اس چھوٹے خالی صندوق میں ریت کے ذرے پھنسے تھے۔اسے ساحل پہ گھسیٹا گیا تھا۔وہ نم تھا۔اسے کشتی میں لاد کے لے جایا گیا تھا۔راجہ مراد اس دن کشتی تیار کرنے کا حکم دے رہا تھا۔دیٹس اِٹ۔'' وہ ناراضی بھلائے جوش سے کہہ رہی تھی۔''راجہ وہ سب ایک جزیرے پہ بھیجتا ہے۔''

''مگر ملایا میں سینکڑوں جزیرے ہیں۔ ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ وہ کون سا جزیرہ ہے' چے تالیہ۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ چہکی۔ ''ملکہ یان سوفو نے ایک Haunted جزیرے کا ذکر کیا ہے جس سے کوئی پلٹ کے نہیں آتا۔ تین چاند والا جزیرہ۔ میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔ یقیناً وہیں کچھ چھپا ہے۔''

''جہاں ملتے ہیں تین چاند۔'' ایڈم بڑبڑایا۔ ''میں نے کتب خانے کی کتابوں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ وہ آسیب زدہ ہے اور وہاں سارے جہاز ڈوب جاتے ہیں اس لیے وہاں کوئی نہیں جاتا۔''

''شاید یہ صرف باتیں ہوں۔ عام لوگوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے۔'' وہ پرجوش سی باری باری دونوں کے چہروں کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ''مجھے معلوم ہے اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

''کیا؟'' فاتح نے ٹیک لگا لی اور غور سے اسے دیکھا۔ تالیہ نے جواب میں بے نیازی سے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''میں یہ بتانے کی پابند نہیں ہوں' تو انکو۔''

''اور وہ کیوں؟'' اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

وہ اٹھی' میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کے جھکی' اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ میرا الوژن ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ میں اب.... کسی کے پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جب انسان اپنے آپ کو عزت دینے لگ جائے تو اسے کسی اپروول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں آزاد ہو چکی ہوں۔ میں نے خود سے وعدہ لیا ہے کہ اب اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولوں گی' دھوکہ نہیں دوں گی' اور میں اس وعدے کے لئے صرف اپنے آپ کو جواب دہ ہوں' کسی دوسرے انسان کو نہیں۔ تالیہ دی فین گرل کے ایل میں رہ گئی ہے' تو انکو.....اور جو یہاں ہے' وہ آپ کی عزت کرتی ہے' مگر وہ 'ذہنی غلام' نہیں ہے۔ کسی کے فین ہونے کا مطلب اپنی رائے کو اس کی رائے کا غلام بنا دینا نہیں ہے۔ بعض اوقات ہم پرستار اپنی محبوب شخصیات سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔''

اس نے چٹیا جھٹکا' سیدھی ہوئی اور ایک جتاتی نظر اس پہ ڈالتی مڑ گئی۔ آخری بات پہ فاتح نے چونک کے ایڈم کو دیکھا جس نے خجالت سے سر کھجایا تھا۔

''مجھے ہر بات شہزادی کو بتانی پڑتی ہے' ورنہ وہ میرا دایاں ہاتھ کٹوا سکتی ہے۔ دایاں!''

تالیہ اب دھپ دھپ زینے اتر رہی تھی۔ فاتح نے جواب نہیں دیا۔ بس خاموشی سے پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''چلو اچھا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ اب وہ جھوٹ نہیں بولے گی۔'' اس نے تالیہ کی بات کا اثر زائل کرنا چاہا۔

''انہوں نے کہا ہے کہ اچھے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولیں گی۔ اب یہ تو چے تالیہ ہی بتا سکتی ہیں کہ اچھے لوگوں میں ہم شامل ہیں یا نہیں۔ ان کا ویسے بھی کچھ نہیں پتہ۔ کل کو کہہ دیں ساری دنیا میں کوئی اچھا نہیں ہے۔''

فاتح نے گردن موڑ کے کام کرتے بیروں کو دیکھا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ ”تم اپنا کام کرو اور چوکنے رہو۔ کل ملتے ہیں۔ باورچی اوپر آنے والا ہوگا۔“ پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

”سر!“ وہ کھڑا ہوا اور قدرے سنجیدگی سے پکارا۔ وہ جاتے جاتے رکا اور پلٹ کے اسے دیکھا۔

”کوئی بات ہے؟“

”چے تالیہ نے مجھے بتایا ہے کہ سلطان مرسل.... ان کو.... (تھوک نگلی) اپنے حرم میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اور جلد ہی وہ راجہ سے بات کرنے والے ہیں۔“ اس نے نظریں جھکا لیں۔ ”میں چاہتا تھا کہ آپ کو علم ہو کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔ انہوں نے مجھے آپ کو بتانے سے منع کیا تھا۔“

فاتح بن رامزل کے کان سرخ پڑے۔ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ سنا تم نے؟ اپنی شہزادی سے کہو سلطان سے دور رہے۔“ وہ ایک دم اتنے غصے سے بولا کہ خود بھی ٹھٹک گیا۔

ایڈم نے نظر اٹھا کے خاموشی سے اسے دیکھا اور سر کو خم دیا۔

”وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔ وہ ملاکہ کی شہزادی ہیں۔ میں یا آپ یہ بات ان کو کس حیثیت سے کہہ سکتے ہیں، سر؟“ یہ سوال نہیں تھا۔ تبصرہ تھا۔ کہہ کے وہ رکا نہیں۔ چغے کی ٹوپی درست کی اور مڑ گیا۔

فاتح مٹھیاں بھینچ کے رہ گیا۔ اسے کچھ بہت برا لگ رہا تھا۔ سخت ناگوار۔ بے بسی کا عجیب احساس۔

☆......☆......☆

راجہ مراد کی خواب گاہ کے اندر قندیلیں جل رہی تھیں۔ سارے میں زرد روشنی پھیلی تھی۔ راجہ میز پہ جھکا بیٹھا ایک ننھے ہتھوڑے سے لکڑی کے ٹکڑوں میں میخیں ٹھونک رہا تھا۔ ماتھے پہ سرخ پٹی بندھی تھی اور بال پونی میں جکڑے تھے۔ نیچے سیاہ کرتا پاجامہ تھا۔ یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔

آہٹ ہوئی تو اس نے سر اٹھایا۔ پھر مسکرایا۔ سامنے تالیہ کھڑی تھی۔ شہزادیوں والے لباس میں، تاج اور زیور پہنے، وہ سنگھار کیے مسکرا رہی تھی۔

”آؤ تالیہ۔ بہت دیر لگائی آنے میں۔ سنا ہے آج کل تم شہر کی سیر کو نکلی رہتی ہو۔“

”مجھے بھیس بدل کے لوگوں کے حالات معلوم کرنا اچھا لگتا ہے۔“ وہ مسکرا کے کہتی قریب آئی اور میز کے کنارے رکی۔ راجہ کے ہاتھوں پہ نظر ڈالی تو ٹھٹکی۔ اس نے ننھی لکڑی کی کشتی پکڑ رکھی تھی۔ جس کو وہ مہارت سے جوڑ رہا تھا۔ چند اوزار اور لکڑی کے ٹکڑے سامنے پھیلے تھے۔

''یہ شوق بھی رکھتے ہیں آپ؟''

''شکار بازوں کے شوق وسیع ہوتے ہیں۔ بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔''

تالیہ ذرا سی چونکی مگر پھر سنبھل کے بیٹھ گئی۔ ذہن فوراً مرسل کی باتوں کی طرف گیا تھا۔(کیا اس نے بابا سے بات کر لی؟ اوہ نو۔ اب وہ کیا کرے گی۔)

''کہیے۔ کیا بات تھی؟'' دھڑکتے دل سے پوچھا۔ کھوجتی نظریں راجہ کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ جھکا اور دراز سے کچھ نکال کے میز پہ رکھا۔ تالیہ دھک سے رہ گئی۔

وہ خالی بوتل تھی۔

راجہ نے کشتی میز پہ رکھی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔ ''اس بوتل میں جو مشروب تھا' وہ تم نے پیا تھا... تب جب تم نے چابی نکالی تھی' یاد ہے۔''

''جی' راجہ!'' اس نے پھیکا سا مسکراتے سر کو خم دیا۔ ''مجھے کیسے بھول سکتا ہے۔''

''یہی تو ساری بات ہے' تالیہ۔ تمہیں بھولنا بھی نہیں چاہیے تھا۔'' وہ بھی مسکرایا۔ اس کی عقابی آنکھوں کی چمک اور اندر تک اترتی نظریں... تالیہ کا دل بری طرح دھڑکا۔

''مطلب؟''

''وقت میں سفر کے لئے ایک قربانی دینی پڑتی ہے۔ اس مشروب کو پینا پڑتا ہے۔ یہ چابی کو جوڑنے کے لمحے سے پہلے کی ساری یادداشت بھلا دیتا ہے۔ دروازہ کھولنے کے بعد جیسے ہی چابی ٹوٹے گی' تمہیں سب بھول جانا چاہیے تھا۔ اور میں جانتا ہوں کہ تم بھول گئی ہو گی۔''

تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ کمرے کی خواب ناک فضا میں کچھ غلط تھا' وہ محسوس کر سکتی تھی۔

''مگر جس لمحے..... برسوں بعد تم نے چابی جوڑی.... تمہیں سب کچھ یاد آ جانا چاہیے تھا۔ دروازہ کھول کے ''واپس'' آتے ہی تمہیں سب یاد آ جانا چاہیے تھا۔ مگر تمہیں نہیں یاد آیا۔ سوائے چند بے ربط مناظر کے تمہیں کچھ یاد نہیں۔ تمہاری ماں تمہاری پیدائش کے وقت مر گئی تھی مگر تمہیں یہ بھی یاد نہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

تالیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ حلق سوکھ رہا تھا۔

''میں اتنے دن سوچتا رہا کہ میرے جادو میں کوئی کمی رہ گئی تھی کیا؟ تالیہ کو ماضی کیوں نہیں یاد آیا۔ اور پھر مجھے ایک خیال آیا۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھا تو وہ بھی میکانکی انداز میں کھڑی ہو گئی۔ کسی معمول کی طرح۔

''مجھے خیال آیا کہ ایسا تب ہوتا جب....'' وہ آگے آیا.... وہ بنا پلک جھپکے اس کو دیکھ رہی تھی۔ مراد نے اس کو دونوں کہنیوں سے سختی سے پکڑا اور اپنی طرف کھینچا۔ تالیہ کی آنکھیں بس اس پہ جمی تھیں۔

''ایسا صرف تب ہوسکتا تھا.... جب یہ چابی 'تم' جوڑتیں۔ تم نے .... یہ چابی ....نہیں جوڑی۔ چابی کا چکر خراب ہوگیا ہے۔ کیونکہ اسے..... کسی اور نے جوڑا ہے۔ تم اکیلی نہیں آئیں .... ہے نا۔''

وہ پتھر کی مورت بن گئی جس کو راجہ نے کہنیوں سے دبوچ رکھا تھا۔ اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب لا کے وہ دھیرے سے سرد آواز میں بولا۔

''مجھے بتاؤ تالیہ بنتِ مراد.... تم اپنے ساتھ اپنی دنیا سے کس کو لے کر آئی ہو؟....'' اس کی آواز بے رحم غراہٹ میں بدل گئی۔ ''میں پوچھ رہا ہوں.... کہ تم میری دنیا میں.... کس اجنبی کو لے آئی ہو؟؟۔''



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول حالم ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔